بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ۔ سلسلہ عالیہ کا سب سے پہلا اور مشہور معروف اخبار ہر مہینے کی ۲، ۶، ۱۰، ۱۴، ۱۸، ۲۲، ۲۶، ۳۰ تاریخ کو قادیان دار الامان سے شایع ہوتا ہے

الحکم

اڈیٹر شیخ یعقوب علی احمدی تراب

چہ گویم باتو گر آئی جہاد قادیان بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الامان بینی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۴۴

قیمت پیشگی سالانہ

۱- عوام سے ۔۔۔ صہ
۲ خواص و معاونین سے ۔۔۔ عہ
۳- ہندوستان سے باہر ۔۔۔ ۷
۴- غیر مذاہب والوں سے ۔۔۔ ۱۲
۵- اپنی جماعت کے غیر مستطیع دس روپے سے کم آمدنی والے لوگوں سے ۔۔۔ عاص ۱۲

نوٹ
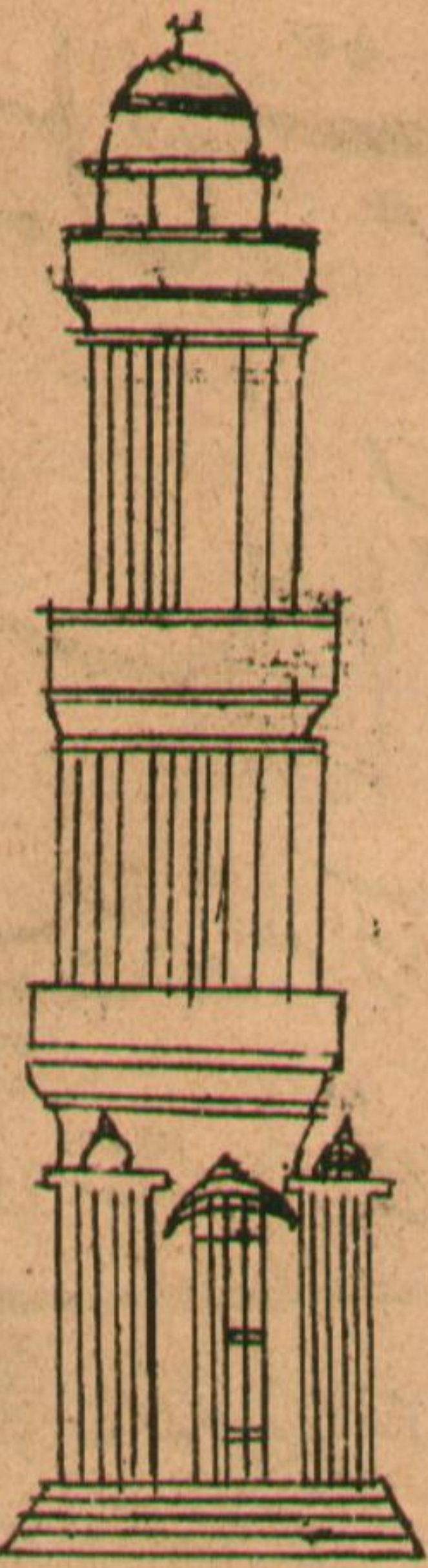
عہ کا سالانہ اضافہ مندرجہ بالا قیمتوں میں ڈبل اشاعت کی وجہ سے کیا گیا ہے :-

نمبر ۲۴ | قادیان دار الامان مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۰۸ء مطابق ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ | جلد ۱۲

پیام صلح

برادران! السلام علیکم - میری چٹھی مطبوعہ "بدر" مورخہ ۹ جولائی ۱۹۰۸ء بعنوان بالا آپ نے پڑھ لی ہوگی۔ جس میں یہ تجویز کی تھی کہ انگریزی ترجمہ پیام صلح ایک ہزار کاپی اور اردو کا پیاس ہزار مفت شایع کرنے کے لئے طبع کرائی جاویں جس دلچسپی اور محبت کیساتھ اس مبارک پیغام کی پبلک میں مانگ ہے جسکے متعلق آئے دن مجھے چٹھیاں مل رہی ہیں۔ اس کو میں نے پسند کیا ہے کہ میں آپ کے جواب کا انتظار نہ کروں اسکے انگریزی ترجمہ کی تین ہزار کاپیاں طبع کرانے کا حکم دیدیا ہے اور اردو دس ہزار کے لئے میں نے تجویز کی ہے۔ یہ کاپیاں ہندو صاحبان میں مفت تقسیم ہونگی۔ آپ کی خدمت میں جیسے کہ پہلے عرض کرچکا ہوں اب پھر عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ میں سے اکثر احباب کم از کم ایک انگریزی کی متعدد کاپیاں لے کر مفت تقسیم کریں۔ لاگت فی کاپی جو اب حساب معلوم ہوئی۔ تین چار پیسے کے درمیان فی کاپی پوری ہوگی :- والسلام جواب جلد عنایت ہونا چاہئے :-

خواجہ کمال الدین وکیل (عزیز منزل)
چیف کورٹ پنجاب لاہور - مورخہ ۱۲- جولائی ۱۹۰۸ء

تکمیل التبلیغ
اتمام الحجة

انی مع الرسول اقوم - وحی الٰہی ہے جو کہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۸ء کی صبح کو خدا کے برگزیدہ نبی خلیفۃ اللہ فی حلل الانبیاء حضرت مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی مذکورہ بالا عنوان کے نیچے حضرت اقدس ؑ کی جو تقریر درج کی گئی ہے وہ تقریر اسی پاک کلام اور تسلی بخش روح افزا وحی کی برکت اور تاثیر کا نتیجہ ہے کیونکہ ۱۹- مئی ۱۹۰۸ء کو جو کہ اس تقریر سے پہلے دن کا تھا حضرت اقدس ؑ کی طبیعت بوجہ دست آجانے کے بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اور یہ امید نہ رہی تھی۔ کہ حضرت اقدس ؑ جیسا کہ ارادہ کیا گیا تھا۔ اس دعوت کے موقع پر تقریر فرماسکیں گے چنانچہ اسی خیال سے آپ نے حضرت مخدومنا مولانا مولوی نور الدین صاحب کو حکم دیا کہ ان معزز مہمانوں کو کچھ سنادیں مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد جب کہ حضرت مولوی صاحب نے اپنی تقریر کا ابتدائی حصہ شروع ہی کیا تھا۔ آپ بذات خاص تشریف لے آئے اور ڈیڑھ اڑھائی گھنٹہ تک بڑی پر زور پر تاثیر اور جامع تقریر فرمائی جسکی کہ آپ کی علیل طبیعت سے ہرگز امید نہ کی جاسکتی تھی مگر خدا کا پاک کلام

انی مع الرسول اقوم

یعنے میں خود اپنے رسول کیساتھ اس کی تائید اور نصرت کے واسطے کھڑا ہوں کوئی بے فائدہ اور لغو کلام نہ تھا۔ آخر اس خدا نے جس نے یہ کلام نازل کیا وہ کرکے دکھادیا۔ کہ واقعی آپ کا کھڑا ہونا اور اتنی لمبی جامع اور پر جوش تقریر فرمانا **خارق عادت** اور خدا کی خاص تائید اور نصرت ہی کا نتیجہ تھا۔ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ تقریر شروع کرنے سے آدھ گھنٹہ پہلے آپ کی طبیعت کیسی تھی اور پھر آدھ گھنٹہ بعد انہوں نے کیا دیکھا وہ نظارہ مومنوں کے ایمانوں کی تازگی اور مخلصوں کے اخلاص کی ترقی کا باعث ہوا۔

وہ آخری تبلیغ تھی

جو آپ نے پنجاب کے صدر مقام میں اہل اسلام کے چیدہ معزز اور تعلیم یافتہ رؤسا کو جمع کرکے پہنچائی :-

بارہ بجے پر آپ نے فرمایا۔ اگر آپ لوگ چاہیں۔ تو میں اپنی تقریر بند کردوں۔ آپکا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے مگر آپ کی تقریر میں وہ دلربائی اور قوت جذب اور تاثیر خدا نے بھر رکھی تھی کہ لوگوں کو اس روحانی لذت نے جسمانی کھانے سے بھی بے پرواہ کر رکھا تھا تمام معزز سامعین نے یکزبان ہوکر جواب میں یہی کہا کہ نہیں آپ تقریر فرماویں۔ وہ کھانا تو روز کھاتے ہی ہیں آج روحانی غذا ہی سہی غرض اس طرح پر حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی تقریر ایک بجے کے بعد ختم کی۔ جو ان صفحات میں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے :- فقط

(عبد الرحمٰن قادیانی)

مطبع انوار احمدیہ مشین پریس قادیان باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی چھپکر شایع ہوا

عجز- انکسار- خلوص اور اضطراب سے مانگی جاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی کنجی صرف دعا ہی ہے- خدا کے فضل کے دروازے کھولنے کا پہلا مرحلہ دعا ہی ہے :-

نماز کو رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں- بلکہ ایسے نمازیوں پر تو خود خدا نے لعنت اور ویل بھیجا ہے چہ جائیکہ ان کی نماز کو قبولیت کا شرف حاصل ہو- ویل للمصلین- خود خدا نے فرمایا ہے- یہ اُن نمازیوں کے حق میں ہے جو نماز کی حقیقت سے اور اس کے مطالب سے بے خبر ہیں- صحابہ تو خود عربی زبان رکھتے تھے- اور اس کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے- مگر ہمارے واسطے یہ ضروری ہے کہ اسکے معانی سمجھیں- اور اپنی نماز میں اس طرح حلاوت پیدا کریں- مگر ان لوگوں نے تو ایسا سمجھ لیا ہے- جیسے کہ دوسرا نبی آ گیا ہے اور اس نے گویا نماز کو منسوخ ہی کر دیا ہے :-

دیکھو خدا کا اس میں فائدہ نہیں بلکہ خود انسان ہی کا اس میں بھلا ہے- کہ اس کو خدا کی حضوری کا موقع دیا جاتا ہے- اور عرض معروض کرنے کی عزت عطا کی جاتی ہے- جس سے یہ بہت سے مشکلات سے نجات پا سکتا ہے- میں حیران ہوں کہ وہ لوگ کیونکر زندگی بسر کرتے ہیں جن کا دن بھی گذر جاتا ہے- اور رات بھی گزر جاتی ہے- مگر وہ نہیں جانتے کہ ان کا کوئی خدا بھی ہے- یاد رکھو کہ ایسا انسان آج بھی ہلاک ہوا- اور کل بھی- میں ایک ضروری نصیحت کرتا ہوں کاش لوگوں کے دل میں پڑ جاوے- دیکھو عمر گذری جا رہی ہے غفلت کو چھوڑ دو- اور تضرع اختیار کرو- اکیلے ہو کر خدا سے دعا کرو- کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے- اور تم پر وہ راضی اور خوش ہو جائے :-

انسان کیواسطے ترقی کرنے کے دو ہی طریق ہیں

اوّل تو انسان تشریعی احکام- یعنی نماز روزہ زکوٰۃ- اور حج وغیرہ تکالیف شرعیہ کی پابندی سے جو کہ خدا کے حکم کے موجب خود بجالا کرتا ہے- مگر یہ امور چونکہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں اس لئے کبھی ان میں سستی اور تساہل بھی کر بیٹھتا ہے- اور کبھی ان میں کوئی آسانی اور آرام کی صورت ہی پیدا کر لیتا ہے لہٰذا دوسرا وہ طریق ہے- جو براہ راست خدا کی طرف سے انسان پر وارد ہوتا ہے- اور یہی انسان کی اصلی ترقی کا باعث ہوتا ہے- کیونکہ تکالیف شرعیہ میں انسان کوئی نہ کوئی راہ بچاؤ یا آرام و آسایش کی نکال ہی لیتا ہے دیکھو کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر اگر اسے کہا جاوے کہ اپنے بدن پر مارو- تو قاعدہ کی بات ہے- کہ آخر اپنے بدن کی محبت دل میں آ ہی جاتی ہے کون ہے جو اپنے آپ کو دکھ میں ڈالنا چاہتا ہے ؟

اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے انسانی تکمیل کے واسطے ایک دوسری راہ رکھدی- اور فرمایا- ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون- ہم آزماتے رہیں گے تمکو کبھی کسی قدر خوف بھیجکر- کبھی فاقہ سے کبھی مال جان اور پھلوں پر نقصان وارد کرنے سے مگر ان مصائب شدائد اور فقر و فاقہ پر صبر کر کے انا للہ و انا الیہ راجعون کہنے والوں کو بشارت دے دو کہ ان کے واسطے بڑے بڑے اجر خدا کی رحمتیں اور اس کے خاص انعامات مقرر ہیں-

دیکھو ایک کسان کس محنت اور جانفشانی سے قلبہ رانی کر کے زمین کو درست کرتا پھر تخم ریزی کرتا- آبپاشی کے مشکلات جھیلتا ہے- آخر جب طرح طرح کے مشکلات محنتوں اور حفاظتوں کے بعد کھیتی تیار ہوتی ہے- تو بعض اوقات خدا کی باریک در باریک حکمتوں سے ژالہ باری ہو جاتی یا کبھی خشک سالی ہی کی وجہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جاتی ہے غرض یہ ایک مثال ہے- ان مشکلات کی جن کا نام **تکالیف قضا و قدر** ہے- ایسی حالت میں مسلمانوں کو جو پاک تعلیم دی گئی ہے- وہ کیسی رضا بالقضا کا سچا نمونہ اور سبق ہے اور یہ بھی صرف مسلمانوں ہی کا حصہ ہے آریہ جو کہ روح اور ذات کو مع ان کے خواص کے خود بخود اور خدا کی طرح ازلی ابدی مانتے ہیں وہ کیونکر انا للہ کہ سکتے ہیں- اور یہ توفیق ان کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے :-

غرض تکالیف دو ہی قسم کی ہیں ایک حصہ تو وہ ہے جو احکام پر مشتمل ہے- جن میں نماز- روزہ- زکوٰۃ- حج وغیرہ داخل ہیں- ان میں کسی قدر عذر اور حیلے وغیرہ کی بھی گنجایش ہے- اور جب تک پورا اخلاص اور کامل یقین نہ ہو انسان ان سے کسی نہ کسی قدر بچنے کی یا آرام کی صورت پیدا کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا ہے- پس اس طرح کی کوئی کسر جو انسانی کمزوری کیوجہ سے رہ گئی ہو- اس کسر کے پورا کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تکالیف قضاء و قدر رکھدی ہیں- تاکہ انسانی فطرت کی کمزوری کی وجہ سے جو کمی رہ گئی ہو- خدا کے فضل کے ہاتھ سے پوری ہو جاوے :-

تکالیف قضاء و قدر کا نام آریہ لوگ پہلی جون کا پھل رکھتے ہیں- مگر ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے- تو پھر تمہارے **جپ تپ** کس مرض کی دوا ہیں- اگر آسمانی تکالیف تمہارے پہلے اعمال کا نتیجہ ہیں تو کیوں ایک دوسرا عذاب جپ تپ کی مصیبت میں پڑ کر اپنے واسطے پیدا کرتے ہو؟

غرض یہ دونوں سلسلے کہ کبھی انسان تکالیف شرعیہ کی پابندی کر کے اپنے ہاتھوں اور کبھی قضاء و قدر کے آگے گردن جھکاتا ہے- اسواسطے ہیں کہ انسان کی تکمیل ہو جاوے- اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے بلیٰ من اسلم وجھہ للہ- یعنی اسلام کیا ہے یہی کہ اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے حصول کے واسطے

گردن ڈال دینا

ابتلاؤں کا ہیبت ناک نظارہ لڑائی میں ننگی تلواروں کی چمک اور کھٹا کھٹ کی طرح آنکھوں کے سامنے موجود ہو جان جانے کا اندیشہ ہے- مگر کسی بات کی پرواہ نہ کر کے خدا کے واسطے یہ سب کچھ اپنے نفس پر وارد کر لینا یہ ہے- اسلام کی تعلیم کی ..... لب لباب :-

دوسرا حصہ خلق اللہ اور حق العباد کے متعلق ہے اسکے متعلق قرآنی تعلیم یوں بیان ہوئی- کہ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربیٰ- پہلے فرمایا کہ عدل کرو پھر اس سے بھی آگے بڑھکر فرمایا- احسان کا بھی خدا نے تم کو حکم کیا ہے- یعنے صرف اسی سے نیکی نہ کرو- جس نے تم سے نیکی کی ہو- بلکہ احسان کے طور پر بھی جو کہ کوئی حق نہ رکھتا ہو کہ اس سے نیکی کی جاوے اس سے بھی نیکی کرو- مگر احسان میں بھی ایک قسم کا باریک نقص اور مخفی تعلق اس شخص سے رہ جاتا ہے جس سے احسان کیا گیا ہے- کیونکہ کبھی کسی موقع پر اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اس محسن کے خلاف طبیعت ہو یا نافرمانی کر بیٹھے تو محسن ناراض ہو کر اس کو احسان فراموش یا نمک حرام وغیرہ کہہ دے گا- اور اگرچہ وہ شخص اس بات کو دبانے کی کوشش ہی کریگا- مگر پھر اس میں ایک ایسا مخفی اور باریک رنگ میں نقص باقی رہجاتا ہے کہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے- اسی واسطے اس نقص

اور کمی کی تلافی کرنے کیواسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ احسان سے بہی آگے بڑہو اور ترقی کرکے ایسی نیکی کرو کہ وہ ایتاء ذالقربیٰ کے رنگ مین رنگین ہو۔ یعنے جس طرح سے ایک ماں اپنے بچہ سے نیکی کرتی ہے۔ ماں کی اپنے بچے سے محبت ایک طبعی اور فطری تقاضا پر مبنی ہی۔ نہ کسی طمع پر۔ دیکہو بعض اوقات ایک ماں ۷۰ برس کی بڑہیا ہوتی ہے اسکو کوئی توقع خدمت کی اپنے بچے سے نہین ہوتی کیونکہ اس کو کہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ مین اس کے جوان اور لایق ہونے تک زندہ بہی رہوں گی۔ غرض ایک ماں کا اپنے بچے سے محبت کرنا بلاکسی خدمت یا طمع کے خیال کے فطرت انسانی مین رکہا گیا ہے ماں خود اپنی جان پر دکہہ برداشت کرتی ہے مگر بچے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ خود گیلی جگہ لیتی ہے اور اسے خشک حصہ بستر پر جگہ دیتی ہے۔ بچہ بیمار ہو جائے۔ تو راتوں جاگتی اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتی ہے اب بتاؤ کہ ماں جو کچہ اپنے بچے کے واسطے کرتی ہے اس مین تصنع اور بناوٹ کا کوئی بہی شعبہ پایا جاتا ہے؟ پس اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ احسان کے درجہ سے بہی آگے بڑہو اور ایتاء ذی القربیٰ کے مرتبہ تک ترقی کرو۔ اور خلق اللہ سے بغیر کسی اجر یا نفع وخدمت کے خیال سے طبعی اور فطری جوش سے نیکی کرو تمہاری خلق اللہ سے ایسی نیکی ہو۔ کہ اس مین تصنع اور بناوٹ ہرگز نہو۔ ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا ہے۔

لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً۔ یعنے خدا رسیدہ اور اعلےٰ ترقیات پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کی نیکی خالصاً للہ ہوتی ہے۔ اور اس کے دل مین یہ بہی خیال نہین ہوتا کہ اس کے واسطے دعا کی جاوے یا اسکا شکریہ ادا کیا جاوے۔ نیکی محض اس جوش کے تقاضا سے کرتا ہے۔ جو ہمدردی بنی نوع کے واسطے اس کے دل مین رکہا گیا ہے۔ ایسی پاک تعلیم نہ ہم نے توریت مین دیکہی ہے۔ اور نہ انجیل مین ورق ورق کرکے ہم نے پڑہا ہے مگر ایسی پاک اور مکمل تعلیم کا نام ونشان نہین۔

اس وقت دنیا مین تاریکی بہت پہیلی ہوئی ہے خدا کی کتاب پر عمل کرنے کیواسطے جو قوت درکار ہے اس مین بہت کمزوری ہے۔ خدا کی یہ قدیم سے عادت چلی آئی ہے۔ کہ جب دنیا مین گناہ کی ظلمت پہیل جاتی ہے لوگ زندگی کے مقصد اصلی سے دور جا پڑتے ہین۔

اسوقت اللہ تعالےٰ خود اپنی طرف سے ایمانوں کو تازہ کرنے کیواسطے انتظام کرتا ہے۔ اور مصلح اور مجدد ومبعوث کرتا ہے نعلی سیفارمر اسوقت کچہ نہین کر سکتے خدا کے مقرر کردہ لوگوں ہی کا یہ منصب ہوتا ہے۔ کہ دلوں پر قابو پا کر ان مین پاک زندگی پیدا کر جاتے ہین خدا کی طرف سے روحانی اصلاح کے لئے مقرر ہونیوالے لوگ چراغ کی طرح ہوتے ہین اسی واسطے قرآن شریف مین آپ کا نام

دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ وَسِرَاجاً مُّنِیْراً

آیا ہے دیکہو کسی اندہیرے مکان مین جہاں سو پچاس آدمی ہوں اگر ان مین سے ایک کے پاس چراغ روشن ہو۔ تو سب کو اس کی طرف رغبت ہوگی اور چراغ ظلمت کو پاش پاش کرکے اُجالا اور نور کردیگا:-

اس جگہ آپ کا نام چراغ رکہنے مین۔ ایک اور باریک حکمت یہہ ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں لاکہوں چراغ روشن ہو سکتے ہین۔ اور اس مین کوئی نقص بہی نہین آتا۔ چاند۔ سورج مین یہ بات نہین۔ اس سے مطلب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کرنے سے ہزاروں لاکہوں انسان اس مرتبہ پر پہنچینگے۔ اور آپ کا فیض خاص نہین بلکہ عام اور جاری ہوگا:-

غرض یہ سنت اللہ ہے کہ ظلمت کی انتہا کے وقت اللہ تعالےٰ اپنی بعض صفات کی وجہ سے کسی انسان کو اپنی طرف سے علم اور معرفت دیکر بہیجتا ہے۔ اور اس کی کلام مین تاثیر۔ اور اس کی توجہ مین جذب اور اس کی دعائین مقبول ہوتی ہین۔ مگر وہ انہی کو جذب کرتے ہین۔ اور انہی پر ان کی تاثیرات اثر کرتی ہین جو اس انتخاب کے لایق ہوتے ہین دیکہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام

سِرَاجاً مُّنِیْراً

ہے۔ مگر ابو جہل نے کہاں قبول کیا:-

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

جس طرح بارش آسمانی سے زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق روئیدگی پیدا کرتی ہین۔ کہین خس وخاشاک اور کہین گلاب کے پہول۔ بعینہ یہی حال روحانی بارش کے وقت انسانی روحانیت کا ہے عادت اللہ اسی طرح پر ہے۔ کوئی نرالی بات نہین آدم سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ وحی جاری رہا۔ بعد مین اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ تجدید دین کے واسطے مجدد پیدا کرے گا۔

تجدید کہتے ہین۔ ایک کپڑا جو کہ میل کچیل سے آلودہ ہو گیا ہو۔ اس کو دہو کر صاف کر لیا جاوے۔ اور میل اس سے قطعاً الگ کر دیجاوے اور بالکل نئے کی طرح کر دیا جاوے اسی طرح جب دین مین ایک زمانہ گزرنے کے بعد عقاید اور اعمال مین طرح طرح کے گند داخل ہو جاتے ہین اور ایمان کی بنا صرف پرانے قصہ کہانیوں پر ہی رہ جاتی ہے۔ اور قصوں کے سوائے کچہ ہاتہ مین نہین رہتا۔ تو اللہ تعالےٰ نے ایسی حالت مین اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ وعدہ دیا ہے۔ کہ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص بہیجتا رہے گا جو تجدید دین کیا کرینگے مگر چودہوین صدی کا سرا تو بجائے خود ۲۶ برس بہی گذر گئے۔ آنیوالا حسب وعدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عین وقت پر آ گیا مگر یہ لوگ اب تک بہی شک مین ہین۔ اور مجہہ پر خواہ مخواہ جہوٹ اور تہمت سے الزام لگاتے ہین کہ نعوذ باللہ مین پیغمبروں کو گالیاں دیتا ہوں مگر کیا ہی خبیث اور ملعون ہے وہ شخص جو کہ برگزیدہ بندوں کا انکار کرے یا ان کی کسی طرح سے اپنے قول سے یا فعل سے توہین کرے۔

یہ بہی جہوٹا الزام لگایا گیا ہے۔ کہ مین معجزات سے منکر ہوں۔ حالانکہ میرا ایمان ہے۔ کہ بغیر معجزات کے زندہ ایمان ہی نصیب نہین ہو سکتا۔ عقل انسان کا کہاں تک ساتہہ دے سکتی ہے اور اسکی مدد سے یہ کہاں تک ترقی کر سکتا ہے؟ خدا زندہ موجود ہے۔ اور جسطرح اس نے پہلے کام کئے ہین۔ اب بہی ضرور ہے۔ کہ اسی طرح کرے کیا وجہ کہ پہلے معجزات اور خوارق پر ایمان لایا جاتا ہے اور گذشتہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ کیا اب خدا بڈہا ہو گیا ہے؟ یا خدا کی قوت گویائی جاتی رہی ہے؟ یا اس کی قوت نصرت اور قدرت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے؟

حال کے فلسفہ والے ان باتوں کو نہین مانتے مگر مین خود اس مین صاحب تجربہ ہوں۔ جسطرح پہلے نشان ظاہر ہوتے تہے۔ اب بہی ہوتے ہین اور اسی طرح خدا اپنے خاص بندوں کی تائید اور نصرت کرتا ہے۔ اور اسی طرح وحی اور الہام سے ان کی تائید کرتا ہے۔ اگر تمہارے اعتقاد کے موافق مان لیا جاوے کہ اب کوئی سلسلہ وحی والہام نہین رہا۔ اور وہ مردہ ہو گیا ہے تو پہر مردے سے کیا امید رکہہ سکتے ہو؟ کیا مردہ

مردے کو زندہ کر سکتا ہے؟ اور اندھا اندھے کی راہبری کر سکتا ہے؟-

مین سچ کہتا ہون کہ خدا اسی طرح زندہ ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین زندہ تھا۔ خدا نے ہمین ایک خاص مقام پر پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا اب وہ ہمین رستے مین ہی چھوڑ دے گا؟ مثال کے طور پر بیان کرتا ہون کہ مثلاً ایک اندھے سے کسی نے وعدہ کیا۔ کہ تمہین مدراس یا کلکتہ تک پہنچا دیگا مگر جب وہ نصف راستہ مین پہنچا۔ تو اس کو چھوڑ دیا اب وہ نہ ادھر کا نہ ادھر کا۔ کیا یہ انصاف ہے اور ظلم نہین:

ہم خدا پر ایسا الزام نہین لگا سکتے

کہ اس نے وعدہ تو کیا کہ قیامت تک خلفاء اور مجددین کا سلسلہ جاری رکھو نگا۔ مگر ایک خاص وقت کے بعد اس نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ سورہ نور مین آیت استخلاف کو غور سے پڑھکر دیکھ لو۔ مین بھی اسی وعدہ کے موافق آیا ہون اور اسواسطے **موعود** کہلاتا ہون۔ یہ نہین کہ **آواگون** کے طور پر وہی مسیح آگیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالے کو علم تہا کہ آخری زمانہ مین امت بگڑ جائے گی۔ اور جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ مین یہود کی حالت تھی۔ وہی حالت مسلمانوں کی موعود مسیح محمدی کے زمانہ مین ہو جائے گی۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین مین اسی کی طرف تو اشارہ ہے۔ خود مسلمانون سے پوچھ لو۔ کہ آخری زمانہ کے مسلمانون اور علماء کا کیا حال لکھا ہی یہی کہ لکھا ہے کہ ایسے ہو جاوینگے کہ قرآن پڑھین گے مگر قرآن حلق سے نیچے نہین اترے گا۔ ایمان صرف زبانوں پر ہی ہوگا۔ اب صاف ہے کہ ایسے وقت مین ان کی اصلاح کے واسطے جو شخص آویگا۔ وہ بھی مناسب حال ہی آویگا۔ اور ضرورت اور کام کے لحاظ سے اس کا نام بھی **مسیح** ہوگا:-

کیا یہ ظاہر نہین۔ کہ دین مر گیا تو پھر جب کسی آدمی عزیز دوست حتی کہ پالتو کتا۔ بلی ہی مر جائے تو اسے رنج ہوتا ہے اور افسوس آتا ہے تو کیا وجہ کہ دین کی موت کا کسی کو رنج نہین اور کسی کے دل مین ماتم نہین نظر آیا؟

یہ بھی مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ مین **نبوت** کا دعوے کرتا ہون اور کہ مین نے نیا دین بنا لیا ہی یا مین کسی الگ قبلہ کی فکر مین ہون۔ نماز مین نے الگ بنائی ہے یا قرآن کو منسوخ کر کے اور قرآن بنا لیا ہے۔ سو اس تہمت کے جواب مین مین بجز اس کے کہ

لعنت اللہ علی الکاذبین کہون

اور کیا کہون۔ میرا دعوے صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا نے مجھے بھیجا ہے اور مین اس امر کا اخفا نہین کر سکتا۔ کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے۔ اور خدا مجھسے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اسی کا نام **نبوت** ہے مگر حقیقی نبوت نہین۔ نباء ایک عربی لفظ ہے جسکے معنے ہین خبر کے اب جو شخص کوئی خبر خدا سے پا کر خلق پر ظاہر کرے گا۔ اسکو عربی مین نبی کہین گے مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر کوئی دعوے نہین کرتا۔ یہ تو نزاع لفظی ہے کثرت مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ مین نبوت کہا جاتا ہے:-

دیکھو حضرت عائشہ رضے اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کہ قولوا انہ خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہٗ اس امر کی صراحت کرتا ہے نبوت اگر اسلام مین موقوف ہو چکی ہے تو یقیناً جانو کہ اسلام بھی مر گیا اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہین ہے ایک باغ جسکو اسکے مالی اور **باغبان** نے چھوڑ دیا۔ اسے بھلا دیا۔ اسکی آبپاشی کی اسکو فکر نہین۔ تو پھر نتیجہ ظاہر ہے کہ چند سال بعد وہ باغ خشک ہو کر بے ثمر ہو جاویگا۔ اور آخر کار لکڑیان جلانے کے کام مین لائی جاوینگی اصل مین ان کی اور ہماری تو

نزاع لفظی ہے

مکالمہ مخاطبہ کا تو یہ لوگ خود بھی اقرار کرتے ہین۔ مجدد صاحب بھی اس کے قایل ہین۔ وہ لکھتے ہین کہ جن اولیاء اللہ کو کثرت سے خدا کا مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے۔ وہ محدث اور نبی کہلاتے ہین۔ اچھا مین پوچھتا ہون کہ ایک انسان خدا سے خبر پا کر دنیا پر ظاہر کرے۔ تو اسکا نام آپ لوگ عربی زبان مین بجز نبی کے اور کیا تجویز کرتے ہین؟ عجیب بات ہی کہ اسی لفظ کے مفہوم کو اگر زبان اردو مین یا پنجابی مین بیان کیا جاوے۔ تو مان لیتے ہین اور اگر عربی مین پیش کریں۔ تو نفرت اور انکار کرتے ہین۔ یہ تعصب نہین تو اور کیا ہے؟

اب صرف یہی بات باقی ہے جسے مین ضروری سمجھتا ہون کہ ان لوگون نے شاید اس مہذب اور تعلیم یافتہ گروہ کو بھی اس امر مین دھوکا دیا ہو اور ہم سے بدظن کرنے کی کوشش ہو۔ لہذا مین مناسب سمجھتا ہون کہ آپ لوگون پر ظاہر کر دون۔ کہ

خدا نے مجھے تجدید دین کیواسطے تائید اور نصرت کیساتھ تازہ نشانات دیکر بھیجا ہے۔ تا دین کو تازہ کر دیا جاوے۔ آپ یقیناً سمجھین۔ کہ اگر خدا نے مجھے نہ بھیجا ہوتا تو یہ دین بھی اور دینون کی طرح صرف قصے کہانیون مین ہی محدود ہو جاتا۔ خدا سے آئینوالا نابود نہین کیا جاتا۔ انجام کار خدا اسکی سرسبزی دنیا پر ظاہر کر دیتا ہے:-

ان لوگون نے میری توہین کے واسطے جھوٹ سے تہمت سے۔ افترا سے اور طرح طرح کے حیلون سے کام لیا ہے اور ہماری ترقی کو روکنے کے واسطے ہم سے لوگون کو بدظن کرنے کے واسطے سخت سے سخت کوششین کی ہین مگر خدا کی قدرت باین ہمہ ہماری ترقی ہی ہوتی گئی۔ اور ہو رہی ہے۔ حتٰے کہ اب چار لاکھ سے بھی زیادہ لوگ مختلف ممالک مین ہماری جماعت کے موجود ہین۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ سمجھدار لوگ جب سمجھ لیتے ہین۔ کہ یہی راہ دشمن پر غلبہ پانے کی ہے تو پھر وہ اس پر سچے دل سے قایم ہو جاتے ہین:-

اب ہمین بتائین کہ جن کا یہ مذہب ہے۔ کہ حضرت عیسٰیؑ مرے نہین۔ بلکہ زندہ ہین۔ اور آنحضرتؐ وفات پا کر مدینے مین مدفون ہین۔ بتایئے انہون نے آنحضرتؐ کی عزت پر کیسا حملہ کیا ہے۔ اور پھر کہتے ہین۔ کہ وہی اسرائیلی نبی پھر دنیا مین آ کر امت محمدیہ کی اصلاح اور تجدید دین کرے گا۔ اب فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ کے بعد جب ایک اسرائیلی نبی آگیا تو پھر آنحضرتؐ کسطرح خاتم النبیین رہے؟ اس اعتقاد سے تو خاتم النبیین حضرت عیسٰےؑ ہوئے۔ نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حاشا وکلا عیسٰےؑ تو خود براہ راست خدا کے نبی تھے کیا ان کی پہلی شریعت اور نبوت منسوخ ہو جائے گی؟ جب سورہ نور مین ہمین صاف الفاظ مین وعدہ مل چکا ہی کہ جو آویگا تم مین سے ہی آویگا۔ تمہارے غیر کو قدم رکھنے کی اب گنجایش نہین۔ اور بخاری مین بھی جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ اماکم منکم

موجود ہے۔ اور پھر جبکہ ان کی وفات بھی صراحت سے قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے تو کیون ایسا اعتقاد رکھا جاتا ہے۔ جو کہ سراسر قرآن شریف اور آنحضرت ؐ کے خلاف ایک عقیدہ ہے۔ آنحضرت ؐ نے خود انکو معراج کی رات مین وفات شدہ انبیاء کے ساتھ دیکھا۔ اگر وہ زندہ تھے تو انکے واسطے الگ کوئی مقام تجویز ہونا چاہیئے تھا۔ نہ کہ مردون مین۔ زندہ کو مردہ سے کیا تعلق اور کیا واسطہ؟

غرض خدا نے قول سے اور آنحضرت ؐ نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ وفات پا چکے۔ اب ماذا بعد الحق الا الضلال :۔

مسلمان کہلا کر قرآن اور قول رسول ؐ کو قبول نہین کرتے۔ تو نہ کرین۔ ان کا اختیار ہے میری تکذیب نہین کرتے بلکہ اس کی جس کی طرف سے مین آیا ہون۔ اور اس کی جسکا مین غلام ہون۔ تکذیب کرتے ہین۔ مین کیا اور میری تکذیب کیا۔ بلکہ یہہ تو آنحضرت ؐ کی تکذیب کرتے ہین :۔

بات تو ایک ہی ہے قرآن مین خلیفہ کے آنے کی نص موجود ہے۔ اور احادیث مین قرب قیامت کے وقت آنیوالے خلیفہ کا نام مسیح رکھا گیا ہے۔ اب ان مین اختلاف کیا ہے؟ ان الزامات کے سوا دوسرے الزام بھی اسی قسم کے بے حقیقت اور ضد اور تعصب کی وجہ سے پیدا ہوئے ہین۔ ان سب کا رد مفصلاً ہم نے اپنی کتابون مین کر دیا ہے۔

ان لوگون کے بعض عقاید تو ایسے ہین جن سے ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے مثلاً ان لوگون کا عقیدہ ہے کہ

کوئی بھی مس شیطان سے پاک نہین بجز عیسیٰ علیہ السلام کے

ان کا یہ مسئلہ کیسا قابل شرم ہے۔ ہمارے نبی کریم ؐ افضل الرسل پاکون کے سردار تو مس شیطان سے (نعوذ باللہ) پاک نہین۔ اور حضرت عیسےٰ ؑ پاک ہین۔ کیسا افسوس کا مقام ہے۔ خدا جانے مسلمان کہلا کر ان کو کیا ہو گیا۔ دیکھو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہہ حال ہے اور خود مسلمان آریون اور عیسائیون کے ہمزبان بنے ہوئے ہین۔ ہمارا اپنا سب سے پیارا نبی جس کی پیروی ہمارا فخر اور ہمارے واسطے باعث عزت اور موجب نجات ہے۔ اگر وہ وفات پا چکے ہین۔ تو ہم عیسےٰ ؑ کو کیا کرین :۔

بس

یہہ ایذین ہین جن پر ہمین کافر کہا جاتا ہے۔ دجال کہا جاتا ہے اور اسلام سے خارج کہا جاتا ہے اور ہم سے سلام علیکم کرنے مصافحہ کرنے ملاقات کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے ایسا متعدی کفر ہے اور تمام جماعت ایک کافرون کا مجموعہ ہے کیسا افسوس آتا ہے کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے دین کی تجدید اور خدمت کرنے کے واسطے ہر وقت کمربستہ ہے اسکو گندی گالیان نکالتے ہین۔ بُرے بُرے نامون سے یاد کرتے ہین۔ میرے صندوق بھرے پڑے ہین ان کی گالیون کے گندی خطوط سے بعض اوقات بیرنگ خط محصول ادا کر کے وصول کیا۔ کھول کر دیکھا تو اس مین اول سے آخر تک بے نقط گالیون کے سوا کچھہ ہوتا ہی نہین۔ اور مولوی کہلا کر چوہڑے چمارون کی طرح گندی اور فاحش گالیان نکالتے ہین۔ کہ انسان کو پڑھتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے :۔

ابھی کہتے ہین کہ اسلام کو کسی کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن موجود ہی اور مولوی موجود ہین۔ یہ نہین جانتے کہ ان کے مولوی جو آنحضرت ؐ کے گلہ بان ہین خود بھیڑئے ہین اور وہ ریوڑ کیسے خطرہ مین ہے جسکا کوئی گلہ بان نہ ہو اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملے ہو رہے ہین۔ اور دین کمزور ہو رہا ہے پس ایسے شخص کی ضرورت تھی۔ کہ مغالطے اور مشکلات دور کر کے پیچیدہ مسائل کو حل کر کے رستہ صاف کرتا اور اسلام کی اصلی روشنی اور سچا نور دوسری قومون کے سامنے پیش کرتا۔ دیکھو ایک وہ زمانہ تھا کہ عیسائی لوگ کہتے تھے۔ کہ آنحضرت ؐ کی نہ کوئی پیشگوئی ہے۔ نہ معجزہ۔ مگر اب میرے سامنے کوئی نہین آتا۔ حالانکہ ہم بلاتے ہین :۔

خدا کا یہی ارادہ تھا۔ اس نے اپنے وعدہ کے موافق وقت پر اپنے دین کی خبر گیری اور دست گیری فرمائی ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ اسلام کو اس نے دنیا مین قائم کیا قرآن کی تعلیم پھیلائی اور اس کی حفاظت کا بھی وہی خود ذمہ دار ہے جب انسان اپنے لگائے ہوئے پودے کو التزام سے پانی دیتا ہے۔ تا وہ خشک نہ ہو جاوے۔ تو کیا خدا انسان سے بھی گزرا۔ اور لاپرواہ ہے؟ یاد رکھو کہ

اسلام نے جن راہون سے پہلے ترقی کی تھی اب بھی انہی راہون سے ترقی کرے گا

خشک منطق ایک ڈائن ہے۔ اس سے انجان آدمی کے اعتقاد مین خلل آجاتا ہے۔ اور ظاہری فلسفے روحانی فلسفے کے بالکل مخالف ہین :۔

صاحبان۔ یہ امور ہین۔ جن کی اصلاح کیواسطے مین بھیجا گیا ہون۔ مین یہ بھی جانتا ہون۔ کہ اس مجلس مین سے بعض ایسے ہی لوگ اٹھین گے۔ کہ ان مین کچھہ بھی تبدیلی پیدا نہ ہوئی ہوگی یا ان کے خیالات پر میری ان باتون کا کبھی اثر نہ ہوگا۔ مگر یاد رکھو۔ جو مجھہ سے مقابلہ کرتا ہے۔ وہ مجھہ سے نہین۔ بلکہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اگر ادنیٰ چپراسی کی ہتک کی جائے اور اس کی بات نہ مانی جاوے۔ تو گورنمنٹ سے ہتک کرنے والے یا نہ ماننے والے کو سزا ملتی ہے اور بازپرس ہوتی ہے۔ تو پھر خدا کی طرف سے آنیوالے کی بے عزتی کرنا اسکی بات کی پرواہ نہ کرنا کیونکر خالی جا سکتا ہے۔ مین تمہین یقین دلاتا ہون۔ کہ اگر میرا سلسلہ خدا کی طرف سے نہین تو یون ہی بگڑ جائے گا۔ خواہ کوئی اسکی مخالفت کرے یا نہ کرے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ قد خاب من افتریٰ۔ اور ومن اظلم ممن افتریٰ علے اللہ کذباً۔ اور وہ شخص جو رات کو ایک بات بناتا۔ اور دن کو لوگون کو بتاتا اور کہتا ہے کہ مجھے خدا نے ایسا کہا ہے۔ وہ کیونکر بامراد اور بابرکت ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین جب ایسے ایک عظیم الشان انسان کے واسطے ایسا فرمان ہے۔ تو پھر ادنیٰ انسان کے واسطے تو چھوٹی سی چھری کی ضرورت تھی۔ اور کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا

مرتبہ

(عبدالرحمان قادیانی احمدی)

خوشخبری

علیگڈھ کالج کے نتائج شایع ہو گئے ہین۔ ماسٹر محمد دین صاحب امتحان بی۔ اے اور میرزا عزیز احمد صاحب امتحان ایف۔ اے مین کامیاب ہو گئے ہین۔ مبارک

یہہ خبر بھی بڑی مسرت سے پڑھی جاویگی۔ کہ اس سال امتحان انٹرنس مین ڈسٹرکٹ بورڈ کا وظیفہ ضلع گورداسپور مین ہمارے مدرسہ تعلیم الاسلام

یادگار حضرت مسیح موعود (علیہ السلام)

(یعنی) مدرسہ دینیہ کے متعلق بعض ضروری تجاویز

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جو تحریک خاکسار راقم اور بعض دیگر ممبران مجلس معتمدین نے بہ ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح ماہ گذشتہ میں حضرت مسیح موعود کی یادگار کے لئے کی تھی۔ کہ ایک اعلیٰ پیمانہ پر ایک دینی مدرسہ قایم کیا جاوے۔ جسکی غرض نہ صرف علم دین سکھانا ہی ہو بلکہ خصوصیت سے دین اسلام کے واعظ تیار کرنا۔ وہی تحریک مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ میں پیش ہو کر ایک سب کمیٹی تجویز کیگئی ہے۔ جسکے سپرد یہ کام کئے گئے ہیں۔ کہ وہ "مدرسہ دینیہ کے لئے روپیہ فراہم کرے اور اسکے لئے سکیم اور بجٹ تجویز کرے۔ اور مدرسین مہیا کرے" چونکہ خاکسار راقم کو اس سب کمیٹی کا سکرٹری قرار دیا گیا ہے۔ لہذا التماس ہے کہ آپ مندرجہ ذیل امور کو اپنی اپنی انجمنوں میں پیش فرما کر بہت جلد اطلاع دیں۔ کہ ان پر کیا کارروائی ہوئی ہے۔

اسوقت تین باتیں ہیں جن کے متعلق سب کمیٹی نے غور کر کے رپورٹ کرنی ہے۔

(۱) **فراہمی سرمایہ**۔ اسکے متعلق کوئی اطلاع مختلف انجمنوں کی طرف سے اب تک نہیں آئی۔ مگر امید ہے کہ اس سوال پر پہلے ہی سے انجمنیں اور احباب غور کر رہے ہونگے اور ایک حد تک کارروائی بھی ہو چکی ہوگی۔ مگر تجویز کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس کارروائی سے سب کمیٹی کو بھی اطلاع ہو۔ لہذا التماس ہے کہ جو کچھ کارروائی کسی جگہ ہو چکی ہے۔ یا جس جگہ کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ وہاں یہی تحریک کو اب پیش کر کے ۲۵۔ جولائی تک یا زیادہ سے زیادہ اخیر جولائی تک خاکسار کو مطلع فرما دیں کیونکہ ۱۵۔ اگست سے پہلے پہلے سب کمیٹی نے اپنی رپورٹ کو مکمل کر کے مجلس میں پیش کرنا ہے۔ یہ اطلاع ہر ایک انجمن اور ہر ایک ایسے دوست کی طرف سے جو اس تحریک میں شامل ہونا چاہتا ہو۔ آنی ضروری ہے۔ کہ کس قدر چندہ مکان اور لائبریری کیلئے یکمشت ہوا۔ اور مستقل ماہوار چندہ کس قدر ۔:۔

اس جگہ ایک بات ضروری بیان کرنیکے قابل ہے اور وہ یہ کہ جسقدر چندے۔ لنگر خانہ۔ مدرسہ۔ اشاعت اسلام یعنی میگزین۔ مسکین فنڈ تیاری مقبرہ و تعمیر کے پہلے دئے جاتے ہیں ان میں حتی الوسع کچھ ابزادی ہی ہونی چاہیئے۔ اور کسی قسم کی کمی اسوجہ سے واقع نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ ایک نیا چندہ یادگار کے لئے قایم کیا گیا ہے۔ یہ سب شاخیں اس سلسلہ کی حضرت مسیح موعود کی اپنے ہاتھ کی لگائی ہوئی ہیں اور خدا کے فضل سے مفید اور بابرکت ثابت ہوئی ہیں انکی خبر گیری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جاوے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ توجہ انکی طرف رکھی جاوے مذکورہ بالا چندوں میں سے بعض چندے جیسے لنگر خانہ۔ مدرسہ۔ اشاعت اسلام کے چندے ایسے ہیں جنکے لئے حضرت مسیح موعودؑ نے خاص طور پر بہت تاکید کے ساتھ حکم دیا تھا۔ پس اس حکم کی تعمیل اب پہلے سے بھی زیادہ توجہ اور اخلاص کیساتھ ضروری ہے۔ اس بات کی طرف میں نے خصوصیت سے احباب اور انجمنوں کو اسلئے بھی توجہ دلائی ہے۔ کہ چند ماہ سے قحط کی وجہ سے یہ سب شاخیں تنگی کی حالت میں ہیں جیسا کہ آمد و خرچ کے نقشوں سے جو ماہوار چھاپے جاتے ہیں ظاہر ہے اب چونکہ خدا تعالیٰ نے ایک حد تک قحط کی تنگی کو دور کر دیا ہے۔ اسلئے امید ہے کہ ہمارے احباب اس کمی کی طرف جو واقع ہوئی ہے۔ خاص توجہ کر کے اب اسکو پورا کرنیکی کوشش کرینگے باقی رہا یادگار کا چندہ سو اسکے لئے اخلاص اور محبت سے جو کچھ دیا جاوے خدا تعالیٰ اسمیں بہت برکت ڈالیگا اور میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہ بابرکت نام جس پر اس چندہ کی تحریک کی گئی ہے ایسا نام ہے کہ خود ہی عشاق کے دلوں میں ایک جوش پیدا کرنیوالا ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ اس کام کو چاہتا ہے تو ہو کر ہی رہیگا۔ اسوقت میں بھی اپنے دوستوں کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ میرے کرم اور مخدوم شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر لاہور اور ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور نے اس چندہ کیلئے ایک ایسا نمونہ دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اس سلسلہ کے مخلصین کے دلوں میں الہام کر رہا ہے کہ وہ اسکی اعلائے کلمت میں اپنے مالوں اور جایدادوں کو قربان کر دیں چنانچہ شیخ صاحب نے تو پچاس روپے ماہوار کا وعدہ فرمایا ہے اور سید صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ اپنی پریکٹس کی آمدنی کا قریباً نصف حصہ اس غرض کے لئے دیا کرینگے سید صاحب کی پریکٹس چونکہ لاہور میں خدا کے فضل سے بہت وسیع ہے اسلئے امید ہے کہ انکی طرف سے ایک بڑی بھاری رقم مستقل طور پر اس چندہ میں پہنچتی رہیگی جزاہم اللہ احسن الجزاء یہ وہ نمونے ہیں جو آخر دنیا کو دکھا دینگے کہ اس سلسلہ کا ہادی اپنے اندر کیسی تڑپ اور کیسا سچا جوش اعلائے کلمۃ اللہ کا رکھتا تھا۔

(۲) دوسرا امر جو مدرسہ دینیہ کی سکیم کے متعلق ہے بجٹ و چندوں کے تخمینہ کے بعد ہی تجویز ہو سکتا اور سکیم بھی اگرچہ ایک حد تک سرمایہ کی حالت پر غور کر کے ہی تیار ہو سکتی ہے مگر اسکے لئے میں اس بات کو بھی پسند کرتا ہوں کہ سب کمیٹی کے سامنے اہل الرائے احباب اور انجمنوں کی طرف سے اسکے متعلق بھی کچھ رائیں ہوں جن سے سب کمیٹی کو فیصلہ پر پہنچنے میں مدد ملے۔ اسوقت تک میرے ذہن میں یا ممبران سب کمیٹی کے ذہن میں کوئی خاص تجویز نہیں ہے کہ یہ مدرسہ کس طرز پر چلایا جائیگا مگر صرف غور کے لئے چند باتیں میں اس جگہ پیش کرتا ہوں۔ اور یہ بھی ساتھ ہی عرض کرتا ہوں کہ انجمنوں یا احباب کی طرف سے جو رائیں پہنچیں وہ مدلل ہوں تاکہ ان پر غور کرنا آسان ہو۔

اسوقت بھی مدرسہ تعلیم الاسلام کی ایک شاخ دینیات یا عربی کی ہے جسکی تعلیم سال گذشتہ میں غور کے بعد یوں تجویز کی گئی تھی۔ کہ پرائمری پاس شدہ طلبا اس مدرسہ میں داخل کئے جاویں۔ اور انکو مولوی یا مولوی عالم۔ اور مولوی فاضل کے امتحانوں کے لئے بھی تیار کیا جاوے۔ یعنی علاوہ ضروری تعلیم دینیات کے جس سے وہ دنیا میں تبلیغ کرنیکے قابل ہوں یہ امتحان جو یونیورسٹی کے امتحان ہیں انکو اس لئے دلائے جاویں تاکہ سبیل معاش کے لئے بھی ایک صورت ملازمت کی بوقت ضرورت نکل سکے۔ مگر کہا جا سکتا ہے کہ چھ سال میں ان امتحانوں کے پاس کرانیکے ساتھ بہت کم وقت ایسا نکلیگا جو ان طلبا کو تبلیغ کا فرض ادا کرنیکے قابل بنائے۔ کیونکہ زیادہ حصہ اسکے وقت کا امتحانوں کے کورس تیار کرنے میں صرف ہوگا گو جو قابلیت زبان عربی کی انکو پیدا ہوگی۔ وہ بھی دینیات کے لئے مفید ہوگی اور ایسا بھی ممکن ہے کہ آخری امتحان یعنی مولوی فاضل کے بعد خاص وظایف دیکر چند ایسے طلبا کو جو خاص قابلیت رکھتے ہوں واعظ بننے کے لئے تیار کیا جاوے اور انکی تعلیم کا سلسلہ اسکے بعد دو یا تین یا چار سال تک جاری رکھا جاوے اسی شاخ میں طب کی پڑہائی بھی ضروری رکھی گئی تھی تاکہ ایسے واعظین جسمانی علاج سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچائیں اور خود انکے گذارہ کی بھی ایک صورت ہو جائے علاوہ اسکے مروجہ مضامین بھی جیسے جغرافیہ تاریخ سائنس انگریزی کی بھی تھوڑی تھوڑی واقفیت ضروری قرار دیگئی تھی۔ یہ تو موجودہ شاخ دینیات یا شاخ عربی کی حالت ہی جسپر ہمارے احباب غور اور بحث کر سکتے ہیں۔ اور امور جن پر غور ہو سکتا ہے یہ ہیں کہ ہمیں ضرورت دو قسم کے واعظوں کی ہے اول وہ جو ہمارے اس ملک میں کام کر سکیں اور دوسرے وہ جو دیگر ممالک میں کام کر سکیں اول قسم کے واعظین بھی پھر دو قسم کے ہونگے۔ ایک وہ جو دیہات میں کام کریں اور دوسرے وہ جو شہروں میں کام کریں۔ غیر ممالک میں کام کرنیوالے واعظ لازماً ایسے ہونگے جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کی ہو اور کسی دوسری زبان میں خاص قابلیت پیدا کی ہو۔ پس تین قسم کے واعظ درکار ہونگے جنکی تعلیم کا معیار بھی الگ الگ ہونا چاہیئے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض واعظین ایسے ہوں جنکو پرائمری یا مڈل کے بعد چند سال تک تعلیم دینی دیجاوے۔ اور کسی خاص امتحان یونیورسٹی کیلئے انہیں تیار نہ کیا جاوے بلکہ دینی تعلیم کیساتھ کسیقدر طب کی تعلیم دیجاوے۔ اور بعض طلباء اس مدرسہ میں ایسے ہوں جن کو انٹرنس کے بعد دینی تعلیم پر خصوصیت کیساتھ لگایا جاوے اور بعض ایسے ہوں جنکو بی۔ اے یا ایم۔ اے پاس کرنیکے بعد خالص دینی تعلیم دیجاوے اور پھر انجمن ہر ایک سے اسکی لیاقت اور قابلیت کے مطابق کام لیا جاوے بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بعض کو ڈاکٹری کی پوری تعلیم دیکر پھر انہیں دینی تعلیم دیجاوے اور تبلیغ کا کام ان سے لیا جاوے یا ایسا ہی اور کوئی مفید پیشہ جسکا اثر بھی پبلک پر نیک ہو دینی تعلیم کیساتھ یا اس سے پہلے یا بعد جیسا مناسب ہو سکھایا جاوے یہ امر بھی غور کے قابل ہے کہ اگر جیسا کہ مدرسہ کی موجودہ صورت ہے۔ ہر ایک طالب علم کو مدرسہ دینیہ میں داخل کر لیا جاوے تو آیا انجمن کے پاس بالفعل اسقدر ذرایع ہیں۔ کہ ان سب کو ہر وقت تبلیغ کے کام پر لگا کر انکو گذارہ دے سکے اور اگر یہ صورت نہ ہو۔ تو پھر آیا اس دینی مدرسہ میں خاص خاص لڑکوں کو داخل کیا جاوے جنکو تبلیغ کے کام کے لئے موزوں سمجھا جاوے کیونکہ اس میں بھی شک نہیں کہ اگر کوئی قابلیت خاص دیکھنے کے بغیر طلبا مدرسہ میں داخل کیا جاویگا تو بہت سے طالب علم ایسے بھی ہونگے جو آخر تبلیغ کے کام کے قابل نہ ہونگے اور اگر انکو دینیات کے سوا کچھ نہیں سکھایا گیا جس سے وہ سبیل معاش اپنے لئے پیدا کر سکیں تو پھر انکی کیا حالت ہوگی۔ میں بالفعل کوئی ایک رائے پیش نہیں کی بلکہ صرف مختلف خیالات کی کچھ پیش کی ہے۔ شاید ان میں سے کوئی بات کسی صاحب کے لئے رائے قایم کرنے میں امداد دے اور اسطرح پر کوئی مفید رائے اور مفید مشورہ مل سکے مگر یہ ضروری ہے کہ عموماً ایسی رائیں کہ جنکے ذریعہ سے آئین مدرسہ بطور مختصر کو مل ہو سکیں کیونکہ اگر سب دوست الگ الگ رائیں دینگے

تکمیل التبلیغ
و
اتمام الحجۃ

کلمیات طیبات حضرت امام الزمان مسیح الرحمٰن

۱۷- مئی ۱۹۰۸ء ۱۱ بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک

مجھے اسوقت اس بات کا اظہار ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت ہمیں تین قسم کا شکر کرنا چاہیے سب سے مقدم اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں زندگی دی صحت دی تندرستی بخشی۔ امن دیا۔ اور اشاعت دین کے لئے سامان مہیا کر دئے۔ اور حقیقتاً سچی بات یہی ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کی اُن نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو ہرگز ممکن نہیں۔ کہ اس خدا کی مہربانیوں اور احسانوں کا شمار کر سکیں۔ اسکے انعامات ہر دو روحانی اور جسمانی رنگ میں محیط ہیں اور جیسا کہ وہ سورہ فاتحہ میں جو کہ سب سے پہلی سورہ ہے اور تمام قرآن شریف اسی کی شرح اور تفسیر ہے۔ اور وہ پنج وقت نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ اسکا نام ہے **رب العالمین** یعنی ہر حالت میں اور ہر جگہ پر اسی کی ربوبیت سے انسان زندگی اور ترقی پاتا ہے اور اگر نظرِ عمیق سے دیکھا جاوے تو حقیقت میں انسانی زندگی کا بقا اور آسودگی اور آرام راحت سب ہی اسی صفت الٰہی سے وابستہ ہے اگر اللہ تعالےٰ اپنی صفت رحمانیت کا استعمال نہ کرے اور دنیا سے اپنی رحمانیت کا سایہ اٹھالے۔ تو دنیا تباہ ہو جاوے۔ پھر اس سورہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنا نام رحمان اور رحیم رکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور رحیم میں فرق بیان کروں :-

سو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا نام جو بغیر کسی عوض یا انسانی عمل محنت اور کوشش کے انسان کے شامل حال ہوتی ہے۔ رحمانیت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے نظام دنیا بنا دیا۔ سورج پیدا کیا۔ چاند بنایا ستارے پیدا کئے۔ ہوا۔ پانی۔ اناج بنائے۔ ہماری طرح طرح کی امراض کے واسطے شفا بخش دوائیں پیدا کیں غرض اسی طرح کے ہزاروں ہزار انعامات ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے کسی عمل یا محنت و کوشش کے اُسنے محض اپنے فضل سے پیدا کر دئے ہیں۔ اگر انسان ایک عمیق نظر سے دیکھے تو لاکھوں انعامات ایسے پائے گا۔ اور اسکو کوئی وجہ انکار کی نہ ملیگی اور ماننا ہی پڑیگا کہ وہ انعامات اور سامان راحت جو ہمارے وجود سے بھی پہلے کے ہیں۔ بھلا وہ ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں دیکھو یہ زمین اور یہ آسمان اور انمیں کی تمام چیزیں اور خود ہماری بناوٹ اور وہ حالت کہ جب ہم ماؤں کے پیٹ میں تھے اور اسوقت کے قوٰے یہ سب ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں۔ میں ان لوگونکا یہاں بیان نہیں کرنا چاہتا جو تناسخ کے قائل ہیں مگر ہاں اتنا بیان کئے بغیر بھی نہیں سکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر اتنے لاتعداد اور انعام اور فضل ہیں۔ کہ ان کو کسی ترازو میں وزن نہیں کر سکتے۔ بھلا کوئی بتا تو دے۔ کہ یہ انعامات کہ چاند بنایا۔ سورج بنایا۔ زمین بنائی اور ہماری تمام ضروریات ہماری پیدائش سے بھی پہلے مہیا کر دیں یہ کل انعامات کس عمل کیساتھ وزن کریں گے ؟

پس ضروری طور سے یہ ماننا پڑے گا کہ خدا رحمٰن ہے اور اسکے لاکھوں فضل ایسے ہی ہیں۔ کہ جو محض اسکی رحمانیت کی وجہ سے ہمارے شامل حال ہیں اور اسکے وہ عطا یا ہمارے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ وہ محض کوتہ اندیشی اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں خدا کا فضل اور رحمانیت ہماری روحانی جسمانی تکمیل کی غرض سے ہے اور کوئی دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ کہ یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہیں :-

الرحیم انسان کی سچی محنت اور کوشش کا بدلہ دیتا ہے ایک کسان کی سچی محنت اور کوشش کرتا ہے اسکے مقابل میں یہ عادت اللہ ہے۔ کہ وہ اسکی محنت اور کوشش کو ضایع نہیں کرتا اور بار برگ و بار کرتا ہے شاذ و نادر حکم عدم کا رکھتا ہے اللہ کی ایک صفت رب ہے۔ یعنی پرورش کرنے اور تربیت کرنیوالا کیا روحانی اور کیا جسمانی دونوں قسم کے قوٰے اللہ تعالےٰ نے ہی انسان میں رکھے ہیں۔ اگر قوٰی ہی نہ رکھے ہوتے۔ تو انسان ترقی ہی کیسے کر سکتا۔ جسمانی ترقیات کیواسطے بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم اور انعام کے گیت گانے چاہئیں کہ اس نے قوٰی رکھے اور پھر ان میں ترقی کرنے کی طاقت بھی فطرتاً رکھدی ہے۔

مالک یوم الدین۔ خدا مالک ہے جزا سزا کے دنکا۔ ایک رنگ میں اسی دنیا میں ہی جزا سزا ملتی ہے۔ ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چور چوری کرتا ہے ایک روز نہ پکڑا جاوے گا دو روز نہ پکڑا جائیگا۔ آخر ایک دن پکڑا جائے گا۔ اور زندان میں جائے گا۔ اور اپنے کئے کی سزا بھگتے گا یہی حال زانی۔ شرابخور اور طرح طرح کے فسق و فجور میں بے قید زندگی بسر کرنے والونکا ہے کہ ایک خاص وقت تک خدا کی شان ستاری انکی پردہ پوشی کرتی ہے۔ آخر وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور دکھوں میں مبتلا ہو کر انکی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ اور یہ اس آخروی دوزخ کی سزا کا نمونہ ہے۔ اس طرح سے جو لوگ سرگرمی سے نیکی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور فرمانبرداری انکی زندگی کا اعلےٰ فرض ہوتا ہے۔ تو خدا انکی نیکی کو بھی ضایع نہیں کرتا۔ اور مقررہ وقت پر انکی نیکی پھل لاتی اور بار دار ہو کر دنیا میں ہی ان کے واسطے ایک نمونہ کے طور پر مثالی جنت حاصل کر دیتی ہے :-

غرض جتنے بھی بدیوں کا ارتکاب کرنیوالے۔ فاسق فاجر شرابخور اور زانی ہیں۔ انکو خدا کا اور روز جزا کا خیال آنا تو درکنار۔ اسی دنیا میں ہی اپنی صحت۔ تندرستی۔ عافیت اور اعلےٰ قوٰی کھو بیٹھتے ہیں اور پھر بڑی حسرت اور مایوسی سے ان کو زندگی کے دن پورے کرنے پڑتے ہیں۔ سل۔ دق۔ سکتہ اور رعشہ اور اور خطرناک امراض ان کے شامل حال ہو کر مرنے سے پہلے ہی مر رہتے اور آخر کار بے وقت اور قبل از وقت موت کا لقمہ بنجاتے ہیں :-

پس انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا جو اس نے انسانی تربیت اور تکمیل کیواسطے مہیا کئے ہیں ان کا خیال کر کے اسکا شکریہ کرے اور غور کرے کہ اتنے قوٰے اسکو کس نے عطا کئے ہیں۔ انسان شکر کرے یا نہ کرے یہ اسکی اپنی مرضی ہے مگر اگر فطرت سلیم رکھتا ہے اور سوچکر دیکھے گا۔ تو اسکو معلوم ہوگا۔ کہ کیا ظاہری اور کیا باطنی ہر قسم کے قوٰے اللہ تعالیٰ ہی کے دئے ہوئے اور اسی کے تصرف میں ہیں چاہے تو انکو شکر کی وجہ سے ترقی دے اور چاہے تو ایک دم میں ضایع کر دے۔ غور کا مقام ہے کہ اگر یہ تمام قوٰی خود انسان کے اپنے اختیار اور تصرف میں ہوں ......
...... تو کون ہے کہ اسکا مرنے کو جی چاہے انسان کا دل دنیا کی محبت کی گرمی کی وجہ سے آخرت سے بیفکری

و سرد مہری اختیار کرلیتا ہے۔ غافل انسان ایسا نادان ہے کہ اگر اسکو خدا سے پروانہ بھی آجاوے کہ تمہین بہشت ملیگا آرام ہوگا۔ اور طرح طرح کے باغ اور نہرین عطا کی جاوین گی تمہین اجازت ہے اور تمہاری اپنی خواہش اور خوشی پر منحصر ہے۔ کہ چاہو تو ہمارے پاس آجاؤ اور چاہو تو دنیا مین ہی رہو تو یاد رکھو کہ بہت سے لوگ ایسے ہونگے کہ وہ اس دنیا کے گذارہ کو ہی پسند کرین گے اور باوجود طرح طرح کی تلخیوں اور مشکلات کے اسی دنیا سے محبت کرین گے +

دیکھو عمر کا بھروسہ نہین زمانہ بڑا ہی نازک آگیا ہے۔ آپ لوگ دیکھتے ہونگے۔ کہ ہر سال کئی دوست اور کئی دشمن کئی عزیز اور کئی پیارے بھائی بہن اس دنیا سے کوچ کرجاتے ہین۔ اور اُن مین سے کوئی بھی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی رشتہ دار انسان کے مشکلات کا سہارا دینے والا نہین ہوسکتا۔ مگر باین ہمہ انسان جسقدر محنت اور کوشش اور مجاہدہ انکے واسطے اور اپنے دنیوی امور کے واسطے کرتا ہے وہ بمقابلہ خدا کے بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ خدا کی عبادت اور فرمانبرداری اور اس کی راہ مین کوشش اور سوز و گداز بہت کچھ نابود ہے اعتدال نہین کیا گیا دنیا حد اعتدال سے باہر ہوچکی ہے۔ دنیوی کاروبار مین ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہین۔ اور ترقی ہو رہی ہے۔ مگر بھلا کسی نے ایسی کوشش بھی کی ہے۔ کہ ایکدن انکی موت کا مقرر ہے اس سے بھی یہ خود اپنے آپکو یا کوئی دوسرا شخص اسکو باز رکھ سکے۔ یا بچا سکے؟ ہرگز نہین۔ بلکہ اگر کوئی موت کا یاد دلانے والا ہوگا تو اسکی بھی پرواہ نہ کرین گے اور ہنسی ٹھٹھے مین ٹال دین گے اکثر انسان بہت ہی غلطی پر ہین +

دیکھو یہ نہ سمجھنا کہ ان باتوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ تم تجارت نہ کرو یا کاروبار دنیا کو ترک کر کے بیٹھ جاؤ۔ عیال و اطفال جو تمہارے گلے مین پڑے ہوئے ہین انکی خبرگیری نہ کرو۔ یا بیوی بچون اور بنی نوع انسان کے بعض حقوق جو تمہارے ذمہ واری مین داخل ہین۔ انکی پرواہ نہ کرو۔ نہین بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی بجا لاؤ اور خدا سے بھی غافل نہ ہو۔ جب تم اپنی دنیوی آنی اور فانی ضروریات مین اسطرح کا انہماک اور استغراق پیدا کرتے ہو تو خدا سے منہ پھیر لینا اور اسکی رضا جوئی اور خوشنودی کے حصول کے واسطے کوشش نہ کرنا اور خدا سے منہ پھیر لینا بھلا کسر عقلمندی کا کام ہے وہ خدا جس نے ابتدا مین پیدا کیا اور درمیانی حالات بھی اسیکے قبضہ اور تصرف مین ہین اور انجام کار بھی اسی کی حکومت اور اسی سے واسطے پڑیگا اس خدا سے فارغ محض اور غافل ہوجانا اسکا نتیجہ ہرگز خیر نہین ہوسکیگا +

وہ خدا جس کے انعامات انسان کے ساتھ ہر حال مین شامل رہتے ہین اور وہ بیشمار اور بے اندازہ احسانات ہین اسی کا شکر کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔ شکر اسی کو کہتے ہین۔ کہ سچے دل سے اقرار کرے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمتین ایسی ہین کہ بیشمار اور بے اندازہ ہین +

دوسری بات جو مین کہنا چاہتا ہوں اور کہونگا۔ گو بعض لوگ اسے ظاہری خیال یا بناوٹ یا کچھ سمجھین اور وہ یہ ہے کہ **گورنمنٹ انگریزی کا احسان** ہم مسلمانون پر بہت بڑا احسان ہے۔ اور وہ اس قابل ہے۔ کہ اسکا شکریہ ادا کیا جاوے۔ سوچکر دیکھ لو جاننے والے جانتے ہین۔ کہ اس عہد حکومت سے پہلے سکھون کے زمانہ مین ہی ہم لوگون پر کیسے کیسے مشکلات تھے۔ ہمارے باپ دادا کی حالت کیسی خطرون مین گھری ہوئی تھی اور احکام شرعیہ کا رواج تو بجائے خود آذان تک تو اونچی آواز سے کوئی کہہ نہ سکتا تھا بلند آواز سے آذان کہنا ایک ایسا جرم تہا جس کی سزا موت ہوتی تھی کسی قسم کی حلال شرعیہ بھی استعمال نہ کئے جا سکتے تھے بات بات پر انسان کیڑے مکوڑون کی طرح ذلت سے ہلاک کردیا جاتا تھا۔ مگر اب آج اس عہد حکومت مین کیسا امن کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ اپنی نیت مین خرابی نہ رکھتا ہو تکمیل دین کے واسطے ہر کام کو آزادی سے ادا کرسکتا ہے چاہے جس زور سے اذانین کہو نمازین پڑھو اعمال بجالاؤ۔ علوم کی تحصیل کرو یا کسی کا رد لکھو۔ خواہ خود عیسائیون کا رد لکھو کوئی ناراضگی نہین +

ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ جناب فنانشل کمشنر صاحب بہادر دورہ کرتے ہوئے قادیان مین تشریف لائے۔ ملاقات کے وقت انہون نے بیان کیا کہ کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک شخص ایک خاص حد تک جو قانون کی حد سے نہ نکل جاوے آزادی سے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے کتابین لکھ سکتا ہے تقریرین کرسکتا ہے اگر کوئی تعصب ہوتا۔ تو عیسائیون کے رد کرنیوالوں پر تو کم از کم سختی کی جاتی غرض یہ امر اس گورنمنٹ کی انصاف پسندی اور بے تعصبی کا ایک عمدہ نمونہ اور دلیل ہے۔ مگر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ بات کو اس حد تک نہ پہنچا دے کہ قانونی گرفت کے اندر آجائے اور جرم کی حد تک پہنچا دے پس یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے حدیث مین آیا ہے کہ جو شخص بندے کا شکر نہین کرتا وہ خدا کا بھی شکر گذار نہین بن سکتا +

یاد رکھو کہ گورنمنٹ کی ناراضگی کی وجہ بغاوت ہوتی ہے۔ ورنہ جائز طور سے دینی معاملات کی انجام دہی اور امن کی زندگی گذارنے سے گورنمنٹ ہرگز کسی پر عتاب نہین کرتی۔ ایسے صلح کاری امن پسندی اور انصاف شعاری کے اصول رکھنے والی گورنمنٹ کا شکریہ نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ پس مسلمانوں پر عموماً اور ہماری جماعت پر خصوصاً واجب ہے۔ کہ اپنی مہربان گورنمنٹ کا بھی شکریہ کرین اگر یہ گورنمنٹ سر پر نہ ہو تو پھر دیکھ لو کہ کیا حال ہوتا ہے انسان کس طرح سے بے دریغ بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جاتے ہین۔ اس گورنمنٹ کی حکومت آئی تو ان پر کیا الزام یہ تو مشیت ایزدی ہی اسی طرح پر واقع ہوئی تھی مسلمان بادشاہون نے اپنے فرائض کو چھوڑ دیا عیش و عشرت مین پڑ کر حکومت اور رعایا کے حقوق کی پرواہ نہ کی۔ عورتوں کی طرح زیب و زینت مین مصروف ہوگئے سیاست و مدن کے امور کو ترک کردیا خدا نے انکو نااہل اور ان کو اہل پاکر عنان حکومت انہی کے ہاتھ مین دی +

یہ اگر کسی پر سختی کرتے بھی ہین۔ تو کسی وجہ سے البتہ اگر کسی معاملہ مین علم نہ ہو تو مجبوری ہے۔ کیونکہ بے علمی کیوجہ سے تو زاہد اور پارسا آدمی بھی غلطی کر بیٹھتے ہین۔ دیدہ دانستہ ظلم کو ہرگز پسند نہین کرتے بلکہ سلیم الطبع حکام بعض اوقات ظاہری امور کی پرواہ نہ کرکے اور اُن سے تسلی نہ پانے کی وجہ سے مقدمات کی تہ نکالنے کیواسطے اور اصلیت دریافت کرنے کی غرض سے اکثر بڑی محنت اور جانفشانی اور سچی انصاف پسندی سے کام کرتے ہین +

ہمارا ہی ایک مقدمہ تھا۔ جو کہ ایک معزز پادری نے ہم پر اقدام قتل کا کیا۔ کہ گویا ہم نے اسکے قتل کرنے کے واسطے آدمی بھیجا عبد الحمید اسکا نام تھا۔ آٹھ نو آدمی گواہ بھی گذر گئے یہی نہین بلکہ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب جو کہ مسلمانونکے پیشوا کہلاتے ہین انہون نے بھی ایسی گواہی دی جس منصف مزاج حاکم کی عدالت مین ہمارا مقدمہ تہا اسکا نام ڈگلس تھا اس نے ان سب امور کے ہوتے ہوئے کہا کہ مجھ سے ایسی بد ذاتی نہین ہوسکتی۔ کہ اسطرح سے ایک بیگناہ انسان کو ہلاک کردون اور حالانکہ مقدمہ سیشن سپرد کرنے کے لایق ہوگیا تھا۔ مگر اس نے پھر کپتان صاحب پولیس کو حکم دیا کہ اس کی اچھی طرح سے تحقیقات کی جاوے چنانچہ آخرکار اسی عبد الحمید نے

اقرار کیا کہ مجھے اصل میں ان پادریوں نے سکھایا تھا کہ میں ایسا کہوں۔ اصل میں کوئی بات نہیں۔ یہ معلوم کرکے وہ ایسا خوش ہوا۔ اور ہمیں اسکے تبسم سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسا خوش ہے جیسا کہ کسی کو بہت سا مال و دولت حاصل ہونے کی بھی اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ اور آخر کار خود مجھے کہا۔ کہ مبارک ہو آپ بری کئے گئے۔ اب بتایئے کہ اگر کسی مسلمان کی عدالت میں ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا؟ اور وہ اس طرح سے صفائی اور انصاف کی حجت کر سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمیں تو حالات موجودہ کے ماتحت بھی امید پڑتی ہے۔ کہ اگر کسی مسلمان کے پاس ہمارا ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ہمیں ضرور ہی خوار کرتا۔ آٹھ نو گواہ گذر چکے تھے مسل کل ہو چکی تھی۔ اب چھوڑتا تو کیونکر؟ مگر یہ قوم ہے۔ کہ اس کو اسی انصاف کی وجہ سے ہر جگہ فتح نصیب ہوئی ہے۔ جب کوئی جسقدر انصاف اختیار کرتا ہے اسی قدر روشن ضمیری بھی اسے عطا کی جاتی ہے۔ مخالفت دینی اور مذہبی اور ہے اور حکومت اور چیز ہے۔ اگر عدالت کو مدنظر نہ رکھیں تو ایک دن میں یہ تختہ الٹ جاوے۔

مسلمانوں کا یہ خیال کہ ہمیں اعلیٰ اعلیٰ عہدے کیوں نہیں دیئے جاتے۔ یہ انکی اپنی غلطی ہے یاد رکھو کہ کوئی کام جب تک پہلے آسمان پر نہیں ہو لیتا زمین پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خود نیک چلنی اختیار کرو۔ اور اپنی حالت کو سنوار کر اس قابل بنو کہ خدا کی نظر میں آسمان پر تم اس قابل ٹھہر جاؤ کہ تمہیں عزت دل سکیں تو پھر خود خدا تمہیں سب کچھ دے دیگا۔ اپنی حالتوں کو بدل کرنا خدا ہی تمہارے واسطے کوئی اور راہ بنادے۔ ورنہ یاد رکھو کہ خدا نہیں چھوڑیگا جبتک کہ تم اپنی حالت کو نہیں سنوارو گے۔

تیسرا انعام خدا کے شکر کا یہ ہے کہ یہ خاص خدا کا فضل ہے۔ کہ اس نے آپ لوگوں کے دلوں میں اس طرف توجہ ڈالی۔ اور آپ لوگ یہاں تکلیف اٹھا کر تشریف لائے۔ خدا کرے۔ کہ جس طرح ہم جسمانی طور سے مل کر بیٹھے ہیں اور جسمانی ملاقات ہوئی ہے۔ اسی طرح ایک دن وہ بھی آوے کہ روحانی طور سے بھی ہم مل بیٹھیں

خدا نے انسان کو زبان دی اور ایک دل بخشا ہے صرف زبان سے کوئی فتح نہیں ہو سکتی۔ دلوں کو فتح کرنے والا دل ہی ہوتا ہے۔ جو قوم صرف زبانی ہی زبانی جمع خرچ کرتی ہے یاد رکھو۔ کہ وہ کبھی بھی فتحیاب نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ دیکھو کیا انکے پاس کوئی ظاہری سامان تھے؟ ہرگز نہیں مگر پھر باایں ہمہ کہ وہ بے سر و سامان تھے اور دشمن کثیر اور ہر طرح کے سامان اسے مہیا تھے انکو خدا نے کیسی کیسی بے نظیر کامیابیاں عطا کیں بھلا کہیں کسی تاریخ میں ایسی کامیابی کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ تلاش کرکے دیکھ لو۔ مگر لا حاصل پس جو شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی دنیا ٹھیک ہو جاوے۔ خود پاک دل ہو جاوے۔ نیک بن جاوے اور اسکے تمام مشکلات حل اور دکھ دور ہو جاویں اور اسکو ہر طرح کی کامیابی اور فتح و نصرت عطا ہو تو اسکے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ **قد افلح من زکٰھا** کامیاب ہو گیا بامراد ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔ تزکیہ نفس میں ہی تمام برکات اور **فیوض اور کامیابیوں کا راز نہاں ہے۔**

فلاح صرف امور دینی ہی میں نہیں بلکہ دنیا و دین میں کامیابی ہو گی۔ نفس کی ناپاکی سے بچنے والا انسان کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں ذلیل ہو۔

میں یہ قبول نہیں کر سکتا کہ فلسفہ ہیئت اور سائنس کا ماہر ہونے سے تزکیہ نفس بھی ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں البتہ یہاں سکتا ہوں کہ ایسے شخص کے دماغی قویٰ تیز اور اچھے ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ان علوم کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بعض اوقات یہ امور روحانی ترقی کی راہ میں ایک روک ہو جاتے ہیں۔ اور آخری نتیجہ اسکا بجز اس خوش قسمت کے کہ وہ فطرت سلیم رکھتا ہے اکثر کبر و نخوت ہی دیکھا ہے۔ کبھی نیکی اور تواضع ان میں نہیں ہوتی۔

ایک اور امر قابل یاد رکھنے کے یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہر اور قانون قدرت میں داخل ہے کہ ہر چیز ضرورت سے پیدا ہوتی ہے جس طرح ظاہری طور سے ہم دنیوی امور میں ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ لباس۔ خوراک۔ سواریاں اور اور آلات معیشت جتنے بھی ہیں۔ یہ تمام ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح سے روحانی امور میں بھی بہت سے امور ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں اور جب کبھی ضرورت ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے پوری کی جاتی ہے ضرورت انسان کی روحانی جسمانی تمام امور میں راہ نما ہے اور اسی سے حق و باطل میں امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ جس طرح کوئی چیز بلا ضرورت اور بے فائدہ نہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر ضرورت حقہ کے وقت یہ خیال کرنا کہ خدا نے اسوقت کوئی سامان پیدا نہیں کیا۔ سخت غلطی ہے۔

اب ہمارا یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں کیا اندرونی اور کیا بیرونی طور سے ہمیں اس قدر مفاسد گھیرے ہوئے ہیں کہ جس پہلو پر نظر ڈالو۔ کوئی بھی خوش کن نہیں۔ بیرونی طور پر اسلام پر اسقدر حملے ہوئے ہیں اور اسلام نے اسقدر صدمے اٹھائے ہیں کہ ایک بہت بڑا حصہ مسلمانوں کا ان سے متاثر ہو کر خود دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا ہے پھر ان کے بعد ایک بہت بڑا حصہ مذبذب لوگوں کا پیدا ہو چکا ہے۔ جن کو اسلام کے متعلق اطمینان حاصل نہیں اور وہ بالکل کمزور ہیں۔ باقی یقین کامل رکھنے والے اور علیٰ وجہ البصیرت اسلام پر ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں۔ کئی قسم کے حملے ہو رہے ہیں منقولات کے اسلحہ اسلام پر چلائے جاتے ہیں اور آریہ اور پادری لوگ اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ خود وہ گندے ہیں ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ نکتہ چینی کرنا سہل ہے مگر خوبی بیان کرنا مشکل۔

علوم جدیدہ کا بھی ایک قسم کا اسلام پر حملہ ہے آجکل کی تعلیم۔ فلسفہ۔ طبعی اور ہیئت بھی انسان کو ایک غلطی میں ڈالتی ہے میں تجربہ سے دیکھ رہا ہوں کہ اکثر لوگ جنہوں نے خواہ مکمل طور سے ان علوم کو حاصل کیا ہو خواہ ناقص طور سے وہ عموماً بے قید زندگی اختیار کر لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت ہی ان کے دلوں سے اٹھ جاتی ہے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ خود خدا سے ہی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ انکے کلام سے ہی ایک قسم کی بدبو آتی ہے اور وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ آج بھی ہاتھ سے گئے اور کل بھی گئے۔ اور درحقیقت اس گروہ کا حملہ آریوں اور پادریوں کے حملوں سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ ان کے اعتراض عموماً منقولات کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ ان میں صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے مگر یہ لوگ تو اپنا ذاتی تجربہ اور روزانہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسکا اثر بہت سخت اور برا پڑتا ہے۔

غرض یہی بات یہی ہے کہ اندرونی حملے بیرونی حملوں سے بہت بڑھے ہوئے اور خطرناک اور زہریلا اثر ڈالنے والے ہیں۔ سچ ہے از ماست کہ بر ماست اصل میں یہ قصور خود مسلمانوں کا ہے جنہوں اپنی سادہ لوح اولاد کو بغیر اسکے کہ انکو قرآن اور اسلام کے ضروری علوم سے آگاہ کریں ان مدرسوں اور کالجوں میں بھیج دیا۔ اگر طلب علم ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ جیسا کہ حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ سے ظاہر ہے۔ مگر اول علوم

دینیہ کا حصول فرض ہے جب بچے علوم دینی سے پورے واقف ہوجاویں اور انکو اسلام کی حقیقت اور نور سے پوری اطلاع ہوجاوے تب ان مروجہ علوم کے پڑہانے کا کوئی حرج نہیں اصل مین ان مسلمانوں کی موجودہ روش بہت ہی خطرناک ہے۔ دیکھو پہلے ایک عورت کو بازاری کنجری بنا کر پھر توبہ کرائی جاتی۔ تو وہ کیسی توبہ کرے گی؟ شراب بدکاری اور بے قید زندگی اسکی عادت ثانی ہوجاوے گی تو اول تو اُسے توبہ کرنا ہی مشکل اور کرے بھی تو وہ کیسی توبہ ہوگی۔ اسکو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے یہی حال ان لڑکوں کا ہے جنکو پہلے فلسفہ اور سائنس کے زہریلے علوم سکھاکر خود خدا کی ہستی پر ہی شبہات پیدا کرا دئے جاتے ہین اور پھر اُن سے امید کیجاتی ہے۔ کہ وہ اسلام کے بھی شیفتہ ہون ہمارا یہ ایمان ہے۔ کہ کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ اپنی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایسی ایک کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم کبھی بھی اس پر غالب نہین آسکتے۔ مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قایم کرسکتے ہین کہ جسکی نسبت ہمین معلوم ہے کہ اس کو علوم قرآن سے مس ہی نہین اور اس نے اسطرف کبھی توجہ ہی نہین کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآن شریف کی غور و تدبر کی نظر سے نہین پڑھی :۔

مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم روحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے۔ جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ مین انسان کو بہشت کے رنگ مین ملے گا۔ جس کے نیچے نہرین چلتی ہونگی۔ بظاہر یہ ایک قصہ ہے مگر قصہ نہین گو کہ قصہ کے رنگ مین آگیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے۔ کہ اسوقت کے لوگ علوم روحانی کے نہ جاننے کیوجہ سے نادان بچوں کی طرح تھے۔ ایسے باریک اور روحانی علوم کے سمجھانے کے واسطے ان کے مناسب حال استعارات سے کام لینا اور مثالوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو اُن کے ذہن نشین کرنا ضروری تھا۔ اسی واسطے قرآن شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کے واسطے اس طریق کو اختیار کیا۔ اور پھر یہ بھی فرمایا۔ کہ مثل الجنۃ التی وعد المتقون الآیۃ یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت۔ قرآن شریف کے ان الفاظ سے صاف عیان ہے۔ کہ وہ جنت کوئی اور ہی چیز ہے اور حدیث مین صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر نعماء جنت کا قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی وغیرہ مگر وہ باتین جن کی شان دیگر جنت کی نعماء کے

کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تو ہم دیکھتے بھی ہین اور سنتے بھی ہین ایک مقام پر قرآن شریف مین اللہ تعالیٰ جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وبشر الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات ان لھم جنٰت تجری من تحتھا الانھار۔ اس آیت مین ایمان کو اعمال صالح کے مقابل پر رکھا ہے جنّت اور انہار یعنے ایمان کا نتیجہ تو جنت ہے۔ اور اعمال صالح کا نتیجہ انہار ہین۔ پس جسطرح باغ بغیر نہر اور پانی کے جلدی برباد ہو جانے والی چیز ہے اور دیرپا نہین اسی طرح ایمان بے عمل صالح بھی کسی کام کا نہین پھر ایک دوسری جگہ پر ایمان کو اشجار درختوں سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ایمان جس کی طرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اشجار ہین اور اعمال صالحہ اُن اشجار کی آبپاشی کرتے ہین۔ غرض اس معاملہ مین جتنا جتنا تدبر کیا جاوے اسی قدر معارف سمجھ مین آوین گے جس طرح سے ایک کرسان کاشتکار کے واسطے ضروری ہے کہ وہ تخم ریزی کرے اسی طرح روحانی منازل کے کاشتکار کے واسطے ایمان جو کہ روحانیات کی تخم ریزی ہے ضروری اور لازمی ہے اور پھر جس طرح کاشتکار کھیت یا باغ وغیرہ کی آبپاشی کرتا ہے اُسی طرح سے روحانی باغ ایمان کی آبپاشی کے واسطے اعمال صالحات کی ضرورت ہے یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمال صالح کے ایسا ہی بے کار ہے جیسا کہ ایک عمدہ باغ بغیر نہر یا کسی دوسرے ذریعہ آبپاشی کے نکما ہے۔

درخت خواہ کیسے ہی عمدہ قسم کے ہون۔ اور اعلیٰ قسم کے پھل لانے والے ہون۔ مگر جب مالک آبپاشی کی طرف سے لاپرواہی کریگا۔ تو اسکا جو نتیجہ ہوگا وہ سب جانتے ہین یہی حال روحانی زندگی مین شجر ایمان کا ہے ایمان ایک درخت ہے جسکے واسطے انسان کے اعمال صالح روحانی رنگ مین اس کی آبپاشی کے واسطے نہرین بن کر آبپاشی کا کام کرتے ہین :۔

پھر جس طرح ہر ایک کاشتکار کو تخم ریزی اور آبپاشی کے علاوہ بھی محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے اسی طرح خدا تعالےٰ نے روحانی فیوض برکات کے ثمرات حسنہ کے حصول کے واسطے بھی مجاہدات لازمی اور ضروری رکھے ہین۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا نفس انسانی ایک بیل کی مشابہ ہے اور اس کے تین درجے ہوتے ہین۔ نفس امارہ۔ امارہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ امارہ کہتے ہین بدی کی طرف لیجانیوالا بہت بدی کا حکم کرنے والا :۔

دوسری قسم نفس کی نفس لوامہ ہے لوامہ کہتے ہین ملامت کرنیوالے کو۔ انسان سے ایک وقت بدی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی اسکا نفس اسکو اس بدی کی وجہ سے ملامت بھی کرتا اور نادم ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت مین رکھا گیا ہے۔ مگر بعض طبایع ایسے بھی ہین۔ کہ اپنی گندہ حالت اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے وہ ایسے محجوب ہو جاتے ہین کہ ان کی فطرت فطرت سلیم کہلانے کی مستحق نہین ہوتی ان کو اس ملامت کا احساس ہی نہین ہوتا مگر شریف الطبع انسان ضرور اس حالت کا احساس کرتا اور بعض اوقات وہی ملامت نفس اسکے واسطے باعث ہدایت ہوکر موجب نجات ہو جاتی ہے مگر یہ حالت ایسی نہین کہ اسپر اعتبار کیا جاوے :۔

نفس کی ایک تیسری حالت ہے جسے مطمئنہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور وہ انسان کو جب حاصل ہوتی ہے۔ کہ انسان نفس امارہ اور پھر نفس لوامہ کے مشکلات کو حل کر جاوے اور اس جنگ مین اسکو فتح نصیب ہو۔ نفس امارہ انسان کا دشمن ہے اور وہ گھر کا پوشیدہ دشمن ہے۔ لوامہ بھی کبھی کبھی دشمنی کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر باز آجاتا ہے۔ مگر برخلاف ان دونون حالتوں کے جب انسان ترقی کرکے نفس مطمئنہ کے درجے تک ترقی کر جاتا ہے۔ تو اس کی ایسی حالت ہوتی ہے۔ کہ گویا اس کا دشمن اسکے زیر ہو گیا۔ اور اس نے دشمن پر فتح نمایان حاصل کری اور صلح ہوگئی۔ انسانی ترقیات کی آخری حد اور اس کی زندگی کا انتہائی نقطہ اسی بات پر ختم ہوتا ہے۔ کہ انسان حالت مطمئنہ حاصل کرے اور وہ ایسی حالت ہوتی ہے۔ کہ اسکی رضا خدا کی رضا۔ اور اس کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہو جاتی ہے اسکا ارادہ خدا کا ارادہ ہوتا ہے اور وہ خدا کے بلائے بولتا اور خدا کے چلائے چلتا ہے۔ تمام افعال حرکات وسکنات اس سے نہین۔ بلکہ خدا سے سرزد ہوتے ہین۔ اور انسان کی پہلی حالت پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے۔ اور ایک نئی زندگی کا جامہ اسے از سر نو عطا کیا جاتا ہے۔ اور پھر ایسا انسان ایک ممتاز انسان ہو جاتا ہے غرض قانون قدرت مین ایسا پایا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے دو سلسلے پہلو بہ پہلو بنائے ہین جسمانی اور دوسرا روحانی جو کچھ جسمانی طور سے مہیا ہے وہی روحانی طور سے بھی ہوتا ہے پس جو شخص ان دونوں سلسلوں کو نصب العین رکھکر کاروبار مین کوشش اور محنت کرے گا وہ جلدی ترقی کرے گا اسکے معلومات وسیع ہونگے ہر صورت مین ہر جسمانی

ہم نظام جسمانی مین دیکھتے ہین کہ جسمانی کاشتکار باوجود ہر قسم کی باقاعدہ محنت و مشقت کے بھی پھر آسمانی پانی کا محتاج ہے۔ اور اگر اسکی محنتون اور کوششوں کے ساتھ آسمانی پانی اسکے فصل پر نہ پڑے تو فصل تباہ محنت برباد ہوجاتی ہے پس یہی حال روحانی رنگ مین ہے انسان کو خشک ایمان کچھ فائدہ نہین پہنچا سکتا جب تک کہ روحانی بارش نازل ہو کر بڑے زور کے نشانات سے اسکی اندرونی گندہ ہوکر اسکو صاف نہ کرے۔ چنانچہ قرآن شریف مین اسی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ہے۔ والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع۔ یعنے قسم ہے آسمان کی جس سے بارش نازل ہوتی ہے۔ اور قسم ہے زمین کی جس سے شگوفہ نکلتا ہے بعض لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے ندامت اٹھاتے ہین قسم کا مفہوم اصل مین قایم مقام ہوتا ہے شہادت کے ہم دینوی گورنمنٹ مین بھی دیکھتے ہین کہ بعض اوقات مقدمات کے فیصلون کا مدار ہی قسم پر رکھا جاتا ہے +

پس اسی طرح سے خدا تعالےٰ نے بھی بارش آسمانی کی قسم کھا کر نظام جسمانی کی طرح نظام روحانی مین اس بات کو بطور ایک شہادت کے پیش کرتا ہے کہ جس طرح سے زمین کی سرسبزی اور کھیتیوں کا ہرا بھرا ہونا آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ اور اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمین پر کوئی سبزی نہین رہ سکتی۔ اور زمین مردہ ہوجاتی ہے۔ بلکہ کنوؤں کا پانی بھی خشک ہوجاتا ہے۔ اور دنیا زیر و زبر ہو کر ہلاکت کا باعث ہو جاتا ہے اور لوگ بھوکوں پیاسوں مرتے ہین قحط کی وجہ سے انسان حیوان اور پھر چرند پرند اور درند وغیرہ پر بھی اسکا اثر پڑتا ہے بعینہ اسی طرح سے ایک روحانی سلسلہ بھی ہے :-

یاد رکھو کہ خشک ایمان بجز آسمانی بارش کے جو مکالمہ مخاطبہ کے رنگ مین نازل ہوتی ہے۔ ہرگز ہرگز باعث نجات یا حقیقی راحت کا نہین ہو سکتا جو لوگ روحانی بارش کے بغیر اور کسی مامور من اللہ کے بغیر نجات پا سکتے ہین۔ اور ان کو کسی مزکی اور مامور من اللہ کی ضرورت نہین سب کچھ ان کے پاس موجود ہے۔ ان کو چاہئے کہ پانی بھی اپنے گھرون مین ہی پیدا کر لیا کرین۔ انکو آسمانی بارش کی کیا احتیاج۔ انکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جسمانی چیزون کا مدار کن چیزون پر ہے۔ پس اس سے سمجھ لو۔ کہ بعینہ اسی کے مطابق روحانی زندگی کے واسطے بھی لازمی اور لابد اور ضروری ہے۔

انسان کا یہ دعوے کہ مین نے سب کچھ سیکھ لیا ہے اور مین نے سارے علوم حاصل کر لئے ہین یہ بالکل غلط خیال ہے۔ انسان کا علم کیا ہے۔ جس طرح سے سمندر مین ایک سوئی ڈبو کر نکال لی جاوے یہی حال انسان کے علم کا ہے۔ کہ اس کو معارف اور حقایق مین سے دیا گیا ہے ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کین راہ کہ تو میروی بترکستان است

پھر تعجب آتا ہے کہ بعض لوگ معمولی مروجہ علوم کے پڑھ لینے سے بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتے ہین۔ حالانکہ دین کی راہ ایک عمیق در عمیق راہ ہے اور اس کے حقایق اور روحانی فلسفہ ایسا نہین کہ ہر فرد اس کا ماہر ہونے کا دعوے کر سکے۔ یہ دین آسمان سے ہی آیا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ اس کی سرسبزی کے سامان بھی آسمان ہی سے نازل ہوتے رہین گے۔ ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر میٹی علوم اور مروجہ تعلیم کے پاس یافتوں کا سوال کیا جاوے تو اکثر اصحاب ایسے نکلین گے کہ ان کے ماہر ہی ہونگے مگر ہمین اس جگہ ان اصحاب کی خدمت مین کہ وہ میٹی اور دنیوی علوم کے ماہر ہیں یہ بھی کہنا ہے۔ کہ ؎

اے کہ خواندی حکمت یونانیان
حکمت ایمانیان را ہم بخوان۔

ہم دیکھتے ہین کہ آج کل بہت سے ایسے بھی خیالات والے لوگ موجود ہین۔ کہ ان کی نظر مین دین ایک جنون ہے اور اسکی قدر انکے دلوں مین نہین ہے وہ کہتے ہین۔ کہ عرب کے لوگ وحشی تھے۔ اور امی تھے اسوقت ان کی ضرورتون کے مناسب حال قرآن نازل ہوا۔ اب دنیا ترقی کر گئی ہے اور روشنی کا زمانہ ہے اب موجودہ زمانہ کے مناسب حال دین مین ترمیم ہونی چاہئے۔ مگر آپ لوگ سُن رکھین کہ دین کوئی لغو نہین ہے بلکہ دنیا کی حقیقی راحت اور آخری نجات اسی مذہب مین ہی وابستہ ہے۔ وہ عرب کے امی جو اس دین کے سچے خادم تھے۔ اُن کا امی ہونا بھی ایک معجزہ ہی تھا تاکہ دنیا کو دکھا دے کہ امی لوگون نے قرآنی تعلیم کے نیچے آکر کیا کچھ دکھایا۔ کہ بڑی بڑے علوم کے مدعیون سے بھی ان کے مقابلہ مین کچھ بن نہ آیا۔

خدا خوب جانتا تھا۔ کہ اس زمانہ مین کیسے کیسے جدید علوم پیدا ہون گے اور خود مسلمانوں مین کیسے کیسے خیالات کے لوگ پیدا ہو جائین گے ان سب باتون کا جواب اللہ تعالےٰ نے قرآن مین دے رکھا ہے اور کوئی نئی تحقیقات یا علمی ترقی نہین۔ جو قرآن شریف کو مغلوب کر سکے اور کوئی صداقت نہین کہ اب پیدا ہو گئی ہو اور وہ قرآن شریف مین پہلے ہی سے موجود نہ ہو۔

جو راہ قرآن شریف نے پیش کی ہے۔ وہ نہ انجیل مین پائی جاتی ہے۔ نہ توریت مین اسکا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی دنیا کی کوئی اور کتاب اس کمال اور جامعیت کا دعوےٰ کر سکتی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے قرآن شریف کو عطا کی ہے۔ قرآن کے مقابل پر انجیل کا ذکر ہی کیا ہے۔ انجیل نے ایک ضعیف ناتوان انسان کو خدا بنایا۔ مگر اس کی طاقت کا اندازہ قوم یہود کے مقابلہ پر ہی ہو سکتا ہے :-

دوسری بات اور مایہ ناز انجیل کا اخلاقی تعلیم تھی مگر وہ ایسی بودی اور ناکمل ہے۔ کہ کوئی صحیح الفطرت انسان اس کی پابندی نہین کر سکتا۔ بلکہ خود پادری صاحبان کا عمل ہی اس تعلیم کے بالکل برخلاف ہے۔ مثلاً انجیل تعلیم دیتی ہے کہ اگر تجھے کوئی ایک طمانچہ مارے تو تو دوسری گال پھیر دے۔ اور اگر کوئی تیرا کرتا مانگے۔ تو اسکو چادر بھی اتار دے۔ اور اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار مین لے جانا چاہے تو دو کوس اس کے ساتھ چل اب ہم اول ان انجیل کی حمایت اور تعریف کرنے والے پادری صاحبون سے ہی دریافت کرتے ہین کہ ان کا اس تعلیم پر کہان تک عملدرآمد ہے انہون نے اس تعلیم کا عملی نمونہ کیا دکھایا ہے۔ کہ دوسرون کو بھی اس تعلیم کی طرف بلاتے ہین۔ پھر اسی انجیل مین لکھا ہے۔ کہ تو بدی کا مقابلہ نہ کر غرض انجیل کی تعلیم تفریط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور بجز بعض خاص حالات کے ماتحت ہونیکے انسان اسپر عمل کر ہی نہین سکتا۔

دوسری طرف توریت کی تعلیم کو دیکھا جاوے۔ تو وہ افراط کی طرف جھکی ہوئی ہے۔ اور اس مین بھی صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت توڑ دیا جاوے امین عفو اور درگذر کا نام تک بھی نہین لیا گیا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ یہ کتابین مختص الزمان اور مختص القوم ہی تھین مگر قرآن شریف نے ہمین کیا پاک راہ بتائی ہے جو افراط اور تفریط سے پاک اور عین فطرت انسانی کے مطابق ہے مثلاً مثال کے طور قرآن شریف مین فرمایا ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفی و اصلح فاجرہ علی اللہ یعنے جتنی بدی کی گئی ہو۔ اسی قدر بدی کرنی جایز ہے۔ مگر اگر کوئی معاف کر دے اور اس معافی مین اصلاح مد نظر ہو

دیکھو کیسی پاک تعلیم ہے نہ افراط نہ تفریط۔ انتقام کی اجازت ہے۔ مگر معافی کی تحریص بھی موجود ہے۔ بشرط اصلاح یہہ ایک میسر اسلک ہے۔ جو قرآن شریف نے دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ اب ایک سلیم الفطرت انسان کا فرض ہے کہ ان میں خود موازنہ اور مقابلہ کرکے دیکھلے کہ کونسی تعلیم فطرت انسانی کے مطابق ہے اور کونسی تعلیم ایسی ہے کہ فطرت صحیح اور کانشنس اسے دھکے دیتا ہے

یہودیوں میں باپ اپنی اولاد کو وصیت کرتا تہا۔ کہ میرا انتقام میرا بیٹا لے۔ میرا پوتا لے۔ چنانچہ بعض اوقات بیٹا اور پوتا باپ کے انتقام لیتے تھے غرضیکہ توریت میں تو سخت تشدد کیا گیا تہا۔ باقی رہی انجیل سو اس کی اخلاقی تعلیم پر ناز کرنے والے نہیں سمجھتے کہ اول تو وہ تعلیم ہی ایسی ناقص ہے۔ کہ بوجہ مختص الزمان اور مختص القوم ہونے کے آج اس کی ضرورت ہی نہیں اور نہ وہ اسوقت اخلاقی تعلیم کہلانے کی مستحق ہے۔ اور اگر مان ہی لیا جائے۔ تو کوئی شخص نہیں کہ اس تعلیم کا عامل نظر آتا ہو خود اس کے شیفتہ لوگ ہی اسکا عملی نمونہ پیش کریں اصل میں ہاتہی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانیکے اور۔ تاہم فلسفہ حقہ اس کے بالکل خلاف ہے انسان ایک شاخ دار درخت ہے اور انجیلی تعلیم اس کی صرف ایک شاخ۔ کیا باقی قوے انسانی بیکار ہیں؟

یاد رکھو۔ کہ کل قوے انسانی اسی خالق فطرت ہی کی طرف سے انسان کو ملے ہیں ان میں ایک قوت غضبی بھی ہے قوت انتقام بھی ہے یہ قوی بیکار یا فضول نہیں ہیں بلکہ ان کی بد استعمالی اور انکا بے محل و بیموقع استعمال برا ہے انجیل میں تو ایک موقع پر خصی بن جانے کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ اگر سچے عیسائی اس تعلیم کا عملی نمونہ بنتے تو یقین ہے کہ دنیا کا خاتمہ ہی ہو گیا ہوتا عجیب بات یہ ہے کہ صرف حکم ہی نہیں بلکہ اس عمل پر بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ایسے کار خیر میں کوئی عیسائی بھی حصہ نہیں لیتا؟

قرآن شریف میں کوئی دکھا تو دے کہ کوئی ایسا حکم بھی دیا گیا ہو جس پر عمل کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ یا کوئی ایسا حکم بھی ہو جس کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہو یا نظام دنیا میں فساد کا اندیشہ ہو؟ کیا ایسی ایک کتاب جسمیں ایسے احکام داخل ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں یا ان کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہے۔ اور نظام عالم درہم برہم ہوتا ہے کبھی اس خدا کی طرف منسوب ہو سکتی ہے جو خالق فطرت اور منتظم نظام دنیا اور قوی انسانی کے پورے اندازے جاننے والا ہے اور کیا وہ کتاب کامل اور مکمل شریعت کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

لیکن میں اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ میرا مقصد اس بیان سے اس امر کا اظہار ہے کہ یہ دونوں کتابیں صرف ایک ہی خاندان کی تھیں نہ حضرت عیسیٰ ؑ نے اور نہ حضرت موسیٰ ؑ نے کبھی یہ دعوے کیا کہ وہ تمام دنیا کیواسطے رسول ہو کر آئے تھے۔ بلکہ وہ تو صرف اسرائیلی بھیڑوں تک ہی اپنی تعلیم محدود کرتے ہیں انکا اپنا اقرار موجود ہے پس بلحاظ ضرورت کے انکو جو کتاب ملی۔ وہ بھی ایک

قانون مختص الزمان اور مختص القوم تھا

اب ظاہر ہے کہ ایک چیز جو ایک خاص ضرورت کے لئے ایک خاص زمانے اور مکان کیواسطے آئی تھی۔ اسکو زبردستی اور خواہ نخواہ تمام دنیا پر محیط ہونے کیواسطے کھینچ تان کی جائے گی۔ تو اسکا لازماً یہی نتیجہ ہوگا کہ وہ اس کام سے عاری رہے گی اور اس بوجھ کے اٹھانے کیواسطے وہ وضع ہی نہیں کی گئی اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان تعلیمات میں موجودہ زمانہ کے حالات کے ماتحت نقص ہیں۔

مگر قرآن مجید مختص الزمان نہیں مختص القوم نہیں اور نہ ہی مختص المکان ہے بلکہ اس کامل اور مکمل کتاب کے لانیوالے کا دعویٰ ہے۔ کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعا اور ایک دوسری آیت میں یوں بھی آیا ہے کہ لانذرکم بہ ومن بلغ۔ یعنے لازمی ہوگا کہ جسکو قرآنی تعلیم پہنچے وہ خواہ کہیں بھی ہو اور کوئی ہی ہو۔ اس تعلیم کی پیروی کو اپنی گردن پر اٹھائے۔

انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس صرف قرآن شریف ہی ہے۔ اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا۔ جب بھی اسی تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرتوں میں مرکوز اور قانون قدرت کے ہر صفحہ میں مشہود ہے جن کی تعلیمات ناقص اور خاص قوم تک محدود ہیں۔ اور وہ آگے ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں انکی نبوت کا دروازہ بھی انکے اپنے ہی گھر تک محدود ہے مگر قرآن شریف کہتا ہے ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ دیکھو یہ کیسی پاک اور دل میں دخل کر جانیوالی بات اور کیسا سچا اصول ہے۔ مگر یہ لوگ ہیں۔ کہ خدا کی خدائی کو صرف اپنے ہی گھر تک محدود خیال کرتے ہیں یہی حال آریوں کا ہے۔ وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ ہمیشہ وید ہی اتارا جاتا ہے۔ اور صرف چار آدمی ہی اس کام کے واسطے مخصوص ہیں۔ اور ہمیشہ کیواسطے زبان سنسکرت ہی خدا کو پسند آگئی ہے مجال نہیں کہ خدا کی یہ نعمت وحی والہام کسی اور انسان یا زبان کو مل سکے۔ ان لوگوں کے اعتقاد کے موجب وحی الٰہی اب آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور اب ہمیشہ کے واسطے اسکو مہاگ لگ چکی ہے۔ مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح سے تو خدا کی ہستی کے ثبوت میں ہی مشکلات پڑ جاویں گے۔ صرف شنید سے انسان کب مطمئن ہو سکتا ہے۔ اور کامل یقین اور سچی معرفت صرف دوسروں کی زبانی سن لینے سے کہاں میسر آتی ہے ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

جب تک خدا خود انا الموجود کی آواز نہ دے۔ یا اپنے پیارے کلام سے اور زبردست غیبی نشانات سے اپنا چہرہ نہ دکھاوے تب تک وہ پیاس کب مٹ سکتی ہے جو حق کی طلب کی پیاس انسان کو لگی ہوئی ہے یہ کہنا کہ خدا پہلے تو نشانات اور معجزات دکھاتا تہا رسول بھیجتا تہا۔ مگر اب نہیں یہ نعوذ باللہ خدا کی ذات کی سخت توہین اور بے ادبی ہے کیا وجہ کہ اب وہ سنتا ہی اور دیکھتا بھی ہے۔ مگر بولتا نہیں اچھا تو اسپر تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔ کہ قوت شنوائی اور بینائی بھی قوت گویائی کی طرح جاتی نہیں رہیں:۔

انسان اپنی فطرت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ بکری بھیڑئیے کا کام لیں تو دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال فطرت انسانی کا ہے۔ کہ اپنی بناوٹ کے خلاف ہرگز نہیں چل سکتی۔ نرے قصوں سے کب وہ تسلی پا سکتی ہے۔ اگرچہ کوئی ظاہر داری کے واسطے ہاں میں ہاں ملا کر گو دل لعنت بھیجتا ہوگا۔ اور انکار کرتا ہوگا کہ میں نہیں مانتا یاد رکھو۔ کہ اگر پہلے کبھی الہام تہا تو اب بھی ضروری ہے۔ کہ الہام ہو۔ اسلام جب صرف ایک ہی فرقہ تہا۔ اور مختصر بھی تو اسوقت تو نبی اور رسول آنے اور الہامات ہونے کی ضرورت تھی۔ مگر اب جب کہ ایک سے ۷۳ فرقے ہو گئے ہیں۔ اور تفرقہ کی حد نہایت نہیں رہی کلام الٰہی پر مہر لگائی جاتی ہے۔ اور خدا کا منہ بند کیا جاتا ہے۔ کوئی فطرت سلیم اور عقل صحیح اس منطق کو قبول نہیں کر سکتی۔

ہر چیز کے پیدا ہونے کی ماں ضرورت ہی۔ دیکھو ایک چھوٹی سی مثال ریلوے تصادم کی ہے۔ تصادم کے واردات ترقی کرنے لگے۔ تو اصلاح کے سامان بھی

پیدا ہو گئے۔ یہ سب طرح طرح کی کلین جو دیکھنے مین آتی ہین یہ سب ضرورت نے ہی مہیا کرا دی ہین۔ تو اب جبکہ انسانی حالت کیا بلحاظ اپنی ظاہری حالت کے اور کیا بلحاظ اپنی باطنی حالت کے ابتری کے انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے اور ہر فرقہ پر دہریت (ناستک مت) نے اپنا تسلط جمایا ہوا ہے۔ زندہ ایمان کسی مین باقی نہین اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ

زندہ ایمان ہی اعمال کی تحریک کرتا ہی

جب ایمان ہی نہین جو کہ اعمال کا اصل محرک ہے تو پھر عمل کیسے؟ غرض اس طرح ایمان کے دنیا سے اٹھ جانے کے باعث اعمال صالح کا بھی ساتھ ہی نام و نشان مٹ چکا ہے۔ تو پھر کیا وجہ کہ خدا نے ایسی خطرناک حالت اور ایسی سخت ضرورت کیوقت بھی اپنی سنت قدیمہ کو ترک کر کے کوئی رسول اور نبی یا ملہم نہ بھیجا:-

لا الٰہ الا اللہ۔ یہ توحید کا کلمہ ہے اس کے معنے ہین کہ خدا کے سوا کوئی بھی عبادت اور سچی فرمانبرداری کے لایق نہین ہے خدا اگر توحید کے پھیلانے مین کسی دوسرے کا محتاج ہوتا یا کسی اور کو اس کام مین اپنا شریک بناتا۔ تو بھی شرک لازم آتا تھا۔ محمد رسول اللہ کا جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ شامل کرنے مین سر یہی ہی کہ تا توحید کا سبق کامل ہو۔ اور دنیا کو معلوم ہو کہ جو کچھ آتا ہے۔ درحقیقت اسی خدا کی طرف سے آتا ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ان ہدایات کے خدا سے پا کر مخلوق کو پہنچانے والے ہین۔ اور کہ جو کچھ ادھر سے آتا ہے۔ وہ اسی راہ سے آتا ہے:-

شرک صرف پتھرون کے پوجنے ہی کا نام نہین ہی بلکہ شرک کی ایک قسم یہ بھی لکھی ہے کہ انسان خدا کو چھوڑ کر صرف اسباب ہی پر تکیہ کرے اور یہ شرک فی الاسباب کہلاتا ہے:-

برہمو وغیرہ اس راز توحید کو نہین سمجھے جو خدا را بسجدا باید شناخت مین دکھایا گیا ہے۔ خدا کی طرف سے آنے والا ایسا ہی ہے کہ گویا خود خدا ہی ہے۔ انسانی گورنمنٹ کی طرف سے آنے والا نائب ہوتا ہے اسی طرح سے رسول بھی خدا مین فنا ہو کر وہ نہین ہوتا۔ بلکہ خود خدا ہوتا ہے غرض محمد رسول اللہ کا فقرہ توحید کامل کرنے کے واسطے لازمی تھا۔ خدا توحید کو پسند کرتا ہے۔ اور یہ شکر کا مقام ہے کہ یہ خصوصیت صرف اسلام مین پائی جاتی ہے۔ جسکو آج ہم پیش کرتے ہین۔ کسی دوسرے مذہب مین نہین۔

عیسائیونکی دوڑ کفارہ مسیح تک ہے

باپ بیٹا اور روح القدس تین ہین۔ مگر تین مت کہو۔ ایک کہو یہ عجیب گورکھ دھندا ہے۔ جو سمجھ مین نہین آتا۔ یہودی بھی بڑے سخت دل ہین اور طرح طرح کے شرک مین مبتلا ہین۔ انکو اسطرف توجہ ہی نہین۔ آجکل کے آریہ صاحبان جن کو اسلام کے خلاف اپنے عقاید پر بڑا گھمنڈ اور ناز ہے۔ انکا مذہب ہے کہ روح مع اپنے تمام صفات کے اور مادہ مع اپنے تمام صفات کے خود بخود ہین۔ اور اعتقاد رکھتے ہین۔ کہ نیستی سے ہستی ممکن نہین غرض انہون نے ذرہ ذرہ کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے انسانی ظاہری قوے کو تو خدا کی طرف سے مانتے ہین مگر کہتے ہین کہ روح مین جو قوے ہین وہ خود بخود ہین خدا کی طرف سے نہین وہ مانتے ہین کہ ارواح اور ذرات مع اپنے قویٰ کے خود بخود موجود ہین۔ خدا کا کام صرف ان کو جوڑنا ہی ہے مگر ہم پوچھتے ہین کہ کیون جایز نہین کہ باہمی جوڑ ملاپ کی طاقت بھی ان کی اپنی ذاتی خاصیت نہ مانی جاوے؟

غرض تازہ معجزات کے یہ لوگ منکر ہین وید مین معجزات کا کوئی ذکر نہین۔ تو

پھر خدا کے وجود پر نشانی ہی کیا ہے؟

اور اس کی زندگی کی علامت ہی کیا؟ جب دو حصے خود بخود موجود ہین تو پھر کیون نہ مان لیا جاوے۔ کہ تیسرا حصہ (باہمی جڑ جانے کی خاصیت) بھی خود بخود ہی۔ جب ایک اہم کام خود بخود ہے۔ تو سہل کیواسطے کیون کسی کی احتیاج مانی جاوے؟

غرض یہ خدا کا خاص فضل ہے۔ جو صرف اسلام ہی کے شامل حال ہی کہ اسلام کی کوئی بھی تعلیم عقل سلیم اور فطرت سلیم کی مخالف نہین۔ لا الٰہ الا اللہ ایک قول ہی اسکا عملی ثبوت بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فعل ہی۔ زا قول (ایمان کا دعوے) کسی کام کا نہین اور نہ ہی وہ کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ خشک ایمان ایک بے بال و پر مرغ کی مثال ہی۔ جو ایک مضغہ گوشت ہی جو نہ چل پھر سکتا ہے نہ اڑنے کی اسمین طاقت ہی۔ بلکہ

اسلام اسکو کہتے ہین کہ انسان باوجود ہیبت ناک نظارے دیکھنے اور اس امر کا یقین ہونے کے کہ اس مقام پر کھڑا ہونا ہی گویا جان کو خطرہ مین ڈالنا ہے پھر بھی خدا کی راہ مین سر ڈالدے اور خدا کی راہ مین اپنے کسی نقصان کی پرواہ نہ کرے جنگ کے موقع پر سپاہی جانتا ہے کہ مین موت کے منہ مین جا رہا ہون اور اُسے بہ نسبت زندہ رہنے کے مرنا یقینی نظر آتا ہے مگر باین ہمہ وہ اپنے افسر کی فرمانبرداری اور وفاداری کر کے آگے ہی بڑھتا ہے۔ اور کسی خطرے کی پرواہ نہین کرتا اس کا نام اسلام ہے:

غرض ایک فقرہ (لا الٰہ الا اللہ) مین تو اللہ تعالے نے توحید سکھائی ہے اور دوسرے (من اسلم وجھہ للہ) مین یہ سکھایا کہ اس توحید پر سچے اور زندہ ایمان کا ثبوت اپنے اس فعل سے دو اور خدا کی راہ مین اپنی گردن ڈال دو۔ اس بات کو توجہ سے سننا چاہئے۔ مسلمانون کیواسطے یہ ایک مفید مسئلہ ہے۔ صرف اس بات پر راضی نہ ہونا چاہئے۔ کہ ہم مسلمان ہین یا ہم نماز روزے کی پابندی کرتے ہین خطرناک مشکلات مین ثابت قدم رہنا اور قدم آگے ہی آگے اٹھانا اور خدائی امتحان مین پاس ہو جانا سچے اور حقیقی ایمان کی دلیل ہی مشکلات کا آنا اور ابتلاؤن کا آنا مومن پر ضروری ہے ظاہر ہو کہ کون سچا مومن اور کون صرف زبانی ایمان کا مدعی ہے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون۔ مسلمانون کے صدر نے عمل سے ثابت کیا تھا۔ کہ واقعی انہون نے اپنی زندگیان اللہ کے دین کی خدمت کے واسطے وقف کر دی تھین۔ کوئی دین ترقی نہین کر سکتا جب تک خدا کے احکام کو دنیا کے کل کامون پر مقدم نہ کیا جاوے معمولی نماز روزے زکوٰۃ وغیرہ اعمال تو کرتے کرتے آخر عادت مین داخل ہو جاتے ہین۔ مثنوی رومی مین ایک شعر مین یہ مضمون خوب ادا کیا گیا ہے جسمین یہ بیان کیا گیا ہے کہ

"ہم اپنے کوٹھے مین غلہ بھرتے رہتے ہین مگر وہ بھرتے مین نہین آتا جب دیکھو خالی ہی نظر آتا ہے۔ آخر کوئی چوہا تو ہے جو اس کوٹھے کو لگا ہوا ہے اسکا اناج کھائے جاتا ہے اور اسے خالی کرنے کی کوشش مین لگا رہتا ہے ہم بھرتے ہین۔ وہ خالی کرتا ہے آخرکار دروازہ کھولکر دیکھا۔ تو واقعی ایک چوہا تھا کہ اس غلہ کو کھا جایا کرتا تھا۔"

پس انسان کو اپنے اعمال پر ہی راضی نہ ہونا چاہئے بعض بدیون سے بعض اعمال حبط ہی ہو جاتے ہین - ریاکاری بھی حبط اعمال کے واسطے ایک خطرناک کیڑا ہے مثلاً ایک مجلس مین چندہ ہوتا ہے ایک شخص اٹھتا ہے میرا پانصد روپیہ لکھا جاوے اب اگر صرف دکھاوے اور واہ واہ کی آوازے کے واسطے یا نام پیدا کرنے کے واسطے ایسا کرتا ہے تو اسکا اجر اس نے پا لیا عند اللہ اسکے واسطے کوئی اجر نہ ہوگا - اس موقع پر ہمین

ایک نقل تذکرۃ الاولیاء کی

یاد آگئی ہے - لکھا ہے - کہ ایک بزرگ تھے ان کو دس ہزار روپیہ کی سخت ضرورت پیش آگئی - انہون نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا - تو ایک شخص نے دس ہزار روپیہ کی تھیلی ان کے آگے لا رکھی اب وہ بزرگ لگے اس شخص کی تعریف کرنے اور ایک گھنٹہ تک برابر اس کی تعریف کی - آخر وہ شخص جس نے روپیہ دیا تھا - مجلس مین سے اٹھ کھڑا ہوا - اور گھر سے واپس لوٹ کر عرض کی - کہ مجھ سے تو سخت غلطی ہوئی - اصل مین وہ روپیہ تو میری مان کا تھا اور مین اسکا روپیہ خود بخود دینے کا مختار نہ تھا روپیہ مجھے دے دیا جاوے - اب لگی اسکو بجائے تعریف کے لعن طعن ہونے اور لوگ کہنے لگے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بناوٹ کی ہے - بہانہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ مگر جب وقت گذر گیا - اور رات کی سنسان گھڑیان تھین کہ وہی شخص وہی روپیہ لے کر اسی بزرگ کے مکان پر چپکے سے گیا اور وہی روپیہ پیش کر کے عرض کی کہ حضور مین نے

روپیہ اللہ کیواسطے دیا تھا نہ کہ تعریفین سننے کیواسطے

اب آپ کو قسم ہے خدا کی کہ آپ اس روپیہ کا کسی کو ذکر نہ کرین یہ سن کر وہ بزرگ رو پڑے - اس خیال سے - کہ اب جب تک یہ شخص جئے گا لوگ اسے گالیان دین گے طعن و تشنیع کرین گے - ملامت کیا ہی کرین گے ان کو اس حقیقت کی کیا خبر!

غرض جس کام مین ریاکاری کا ذرہ بھی ہو - وہ ضائع جاتا ہے اسکی وہی مثال ہے - جیسے ایک اعلیٰ قسم کے عمدہ کھانے مین کتا منہ ڈالدے - آج کل بھی یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے - اور اکثر امور مین ریاکاری کی ملونی ساتھ ہوتی ہے - پس اعمال مین یہ ملونی ہی نہ ہونی چاہئے - اصل مین انسان ایک حد تک معذور بھی ہے کہ ملونی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے - کیونکہ کمال تو ہے نہین جب تک اسے نفس مطمئنہ حاصل نہ ہو جائے اور کسی کی لعن طعن کی پرواہ نہ کرے اسکے اعمال مین ایسا اخلاص ہو جائے کہ تعریف کرنے والا - اور گالی دینے والا - مناقب بیان کرنیوالا اور حقارت سے دیکھنے والا اس کی نظر مین یکسان ہو جاوین اور یہ دونون کو برابر جانتے - مردے کی طرح جانے جو نہ اسکا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سنوار -

اس وقت مین سراً و علانیۃً پر بحث نہین کرتا - بلکہ نفس ملونی کا ذکر کرتا ہون مین یہ نہین کہتا - کہ ہمیشہ خفیہ ہی خیرات کرو - اور علانیہ نہ کرو - نیک نیتی کے ساتھ ہر کام مین ثواب ہوتا ہے - ایک نیک طبع انسان ایک کام مین سبقت کرتا ہے - اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس کار خیر مین شریک ہو جاتے ہین - اس طرح سے اس شخص کو بھی ثواب ملتا ہے بلکہ ان کے ثواب مین سے بھی حصہ لیتا ہے - پس اس رنگ مین کوئی نیک کام اس نیت سے کرنا کہ دوسرون کو بھی ترغیب و تحریص ہو - بڑا ثواب ہے :-

شریعت اسلام مین بڑے بڑے باریک امور ایسے ہین تاکہ اخلاص کی قوت پیدا ہو جائے - اخلاص ایک موت ہے - جو مخلص کو اپنے نفس پر وارد کرنی پڑتی ہے جو شخص دیکھے کہ علانیہ خرچ کرنے اور خیرات دینے یا چندون مین شامل ہونے سے اس کے نفس کو مزہ آتا ہے اور ریا پیدا ہوتا ہے تو اسکو چاہئے کہ ریاکاری سے دست بردار ہو جائے اور بجائے علانیہ خرچ کرنے کے خفیہ طور سے خرچ کرے اور ایسا کرے کہ اس کے بائین ہاتھ کو بھی علم نہ ہو - پھر خدا تعالیٰ دیتا ہے کہ نیک کو اس کی نیکی اور پاک تبدیلی کی وجہ سے بخش .... دے - اس مین کوئی سو برس کی ضرورت نہین - اخلاص کی ضرورت ہے :-

دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ ایک بڑھیا کو بلاناغہ حلوا کھلایا کرتے تھے اور ان کے اس شغل کی کسی کو خبر نہ تھی - ایک دن جب کہ بڑھیا کو حلوا نہ پہنچا - اس نے اس سے یقین کر لیا - کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ وفات پا گئے - اب جائے غور ہے - کہ آپ رضی اللہ کیسے تعاہد سے اس غریب بڑھیا کی جو کہ اور کچھ نہ کھا سکتی تھی - خدمت کیا کرتے تھے - کہ ایک دن حلوا نہ پہنچنے سے اس کو یقین ہو گیا - کہ آپ رضؓ وفات پا گئے - یعنے اس بڑھیا کے وہم مین بھی نہین آ سکتا تھا - کہ آپ رضؓ زندہ ہون اور اس کو حلوا نہ پہنچے یہ ممکن ہی نہ تھا -

غرض یہ ہے اخلاص اور یہ ہین محض خدا کی راہ مین نیک نیتی کے اعمال -

اخلاص جیسی اور کوئی تلوار دلون کے فتح کرنیوالی نہین

ایسے ہی امور سے وہ لوگ دنیا پر غالب آ گئے تھے صرف زبانی باتون سے کچھ ہو نہین سکتا - اب نہ پیشانی مین نور اور نہ روحانیت ہے اور نہ معرفت کا کوئی حصہ - خدا ظالم نہین ہے - اصل بات یہی ہے - کہ ان کے دلون مین اخلاص نہین - صرف ظاہری اعمال سے جو رسم اور عادت کے رنگ مین کئے جاتے ہین - کچھ نہین بنتا - اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے - کہ مین نماز کی تحقیر کرتا ہون - وہ نماز جس کا ذکر قرآن مین ہے - اور وہ **معراج** ہے بھلا ان نمازیون سے کوئی پوچھے تو سہی کہ ان کو سورہ فاتحہ کے معنے بھی آتے ہین - پچاس پچاس برس کے نمازی ملین گے - مگر نماز کا مطلب اور حقیقت پوچھو تو اکثر بے خبر ہون گے حالانکہ تمام دنیوی علوم ان علوم کے سامنے ہیچ ہین - پاین ہمہ دنیوی علوم کے واسطے تو جان توڑ محنت اور کوشش کی جاتی ہے اور اس طرف سے ایسی بے التفاتی ہے کہ اسے جنتر منتر کی طرح پڑھ جاتے ہین :-

مین تو یہان تک ہی کہتا ہون کہ اس بات سے مت رکو - کہ نماز مین اپنی زبان مین دعائین کرو - بے شک اردو مین - پنجابی مین - انگریزی مین - جو جس کی زبان ہو - اسی مین دعا کرے -

مگر ہان یہ ضروری ہے کہ خدا کے کلام کو اسی طرح پڑھو اس مین اپنی طرف سے کچھ مت دخل دو - اس کو اسی طرح پڑھو - اور معنے سمجھنے کی کوشش کرو - اسی طرح ماثورہ دعاؤن کا بھی اسی زبان مین التزام رکھو - قرآن اور ماثورہ دعاؤن کے بعد جو چاہو خدا سے مانگو اور جس زبان مین چاہو - مانگو وہ سب زبانین جانتا ہے سنتا ہے اور قبول کرتا ہے -

اگر تم اپنی نماز کو باحلاوت اور پُر ذوق بنانا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ اپنی زبان مین کچھ نہ کچھ دعائین کیا کرو مگر اکثر یہی دیکھا گیا ہے - کہ نماز ین تو ٹکرین مار کر پوری کر لی جاتی ہے - پھر لگتے ہین دعائین کرنے - نماز تو ایک ناحق کا ٹیکس ہوتا ہے - اگر کچھ اخلاص ہوتا ہے تو نماز کے بعد مین ہوتا ہے - یہ نہین سمجھتے کہ نماز خود دعا کا نام ہے - جو بڑی